مغربی زبانوں کے ماہر علماء

(علی گڑھ کالج کے قیام سے پہلے)

پروفیسر سید محمد سلیم

مجلس ترقی ادب، لاہور

Marfat.com

مغربی زبانوں کے ماہر علماء

(علی گڑھ کالج کے قیام سے پہلے)

پروفیسر سید محمد سلیم

مجلس ترقی ادب
۲۔ کلب روڈ، لاہور

Marfat.com

297-9924
419
143146
۱۴۳۱۴۶

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مغربی زبانوں کے ماہر علماء

مؤلف: پروفیسر سید محمد سلیم

طبع اول: دسمبر ۲۰۱۵ء/ ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ

تعداد ۶۰۰

ناشر : ڈاکٹر تحسین فراقی
ناظم مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور

کمپوزر : طارق محمود

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ، لاہور

قیمت : -/۲۰۰ روپے

فون : 99200856 ، 99200857

ای میل : majlista2014@gmail.com

یہ کتاب محکمۂ اطلاعات وثقافت، حکومتِ پنجاب کے تعاون سے شائع ہوئی۔

Marfat.com

فہرست

حرفِ چند ۷

مقدمہ ۹

باب۱۔ مغربی اقوام کی آمد ہندوستان میں ۲۱

۱۔مغربی اقوام کی آمد ۲۱

۲۔مغربی اقوام اور مسلمان ۲۴

باب۲۔ مغل شہنشاہ اور اہلِ مغرب ۳۰

۱۔شہنشاہ اکبر ۳۰

۲۔شہنشاہ نورالدین جہانگیر ۳۴

۳۔شاہجہاں بادشاہ ۳۵

۴۔شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر ۳۵

۵۔محمد شاہ بادشاہ ۳۷

باب۳۔ اہلِ دکن، مغربی زبان اور مغربی علوم ۳۹

۱۔نوابین اور امراء ۳۹

۲۔عوام اور خواص ۴۳

۳۔مغربی علوم کے تراجم ۴۷

باب۴۔ شمالی ہندوستان...... جنگ پلاسی تا سقوطِ دہلی ۵۵

۱۔دیارِ مغرب کے سیاح ۵۶

Marfat.com

۲۔ مغربی علوم کے تراجم ۶۲
۳۔ انگریزی زبان کے مصنّفین ۶۸
باب ۵۔ شمالی ہندوستان، سقوطِ دہلی تا خاتمۂ سلطنت ۷۱
مغرب کے سیاح اور انگریزی زبان کے فاضل ۷۱
۱۔ دیارِ مغرب کے سیاح ۷۲
۲۔ نوابین اور امراء ۸۱
۳۔ علماءِ دین ۸۴
۴۔ عوام و خواص ۸۹
باب ۶۔ سقوطِ دہلی تا خاتمۂ سلطنت (مسلسل) ۹۳
۱۔ ترجمہ کی انفرادی کوششیں ۹۳
۲۔ طب جدید کے تراجم ۹۸
۳۔ ترجمہ کی منظّم کوششیں ۱۰۰
(۱) تعلیمی کمیٹی صوبہ بمبئی ۱۰۰
(۲) سررشتہ انشاء و ترجمہ برائے کتب ہیئت و سائنس...... لکھنؤ ۱۰۱
(۳) مقامی زبان میں ترجمہ کی انجمن...... دہلی کالج ۱۰۳
۴۔ انگریزی زبان میں صاحبانِ تصنیف ۱۰۴
باب ۷۔ خاتمہ سلطنت تا قیامِ علی گڑھ کالج ۱۰۹
۱۔ حکومتی پس منظر ۱۰۹
۲۔ دیارِ مغرب کے سیاح ۱۱۱
۳۔ مغربی زبان اور علوم کے فاضل ۱۱۲
۴۔ ترجمہ کی انفرادی کوششیں ۱۱۹

Marfat.com

(۱) مغربی علوم کے مترجمین ۱۱۹
(۲) طب جدید کے مترجمین ۱۲۲
۵۔ ترجمہ کی منظّم کوششیں ۱۲۳
(۱) سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ ۱۲۳
(۲) رڑکی کالج (انجینئرنگ) ۱۲۴
۶۔ انگریز زبان کے مصنّفین ۱۲۴
باب ۸۔ انگریزی عہد حکومت کے علما اور انگریزی زبان ۱۲۷
کتابیات ۱۳۰
حوالہ جات ۱۳۶

Marfat.com

Marfat.com

حرفِ چند

مسلم ثقافت کا دورِ عروج روشنی اور رواداری کا دور تھا جس میں علم و عرفان کی مہک اکناف عالم میں پھیلی۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ بھی اسی روشنی و رواداری کی محتاج و مرہون منت رہی۔ برعظیم پاک و ہند بھی کئی صدیوں تک علم و دانش کا مرکز رہا۔ حتیٰ کہ زوال کے اندھیروں میں بھی علم و السنہ کی شمعیں مدھم ہی سہی، اپنے بابرکت وجود کا احساس دلاتی رہیں۔

پیشِ نظر کتاب ''مغربی زبانوں کے ماہر علماء'' کئی جہتوں سے قابلِ التفات ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مغربی استعمار کی آمد سے پہلے یہاں مدارس و مراکزِ دانش کی خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ صرف بنگال میں اسّی ہزار مدارس قائم تھے۔ گویا ہر چار سو کی آبادی پر ایک مدرسہ فراہم تھا۔ انگریز آیا تو اس نے نہ صرف مسلمانوں کے نظامِ اوقاف کو برباد کر ڈالا جو ان کے نظامِ تعلیم پر ایک ضرب کاری تھی بلکہ یہ ثابت کرنے کے لیے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مسلمان تنگ نظر، متعصب اور ترقی کے دشمن ہیں اور انگریزی زبان کے مخالف۔ فاضل مصنف کا موقف ہے کہ مسلمانوں نے سرسید اور راجہ موہن رائے سے بھی پہلے انگریزی زبان و علوم کے حق میں آواز بلند کی اور اس ضمن میں میر محمد حسین اور مولوی کرامت علی منگلوری کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ مصنف نے بشپ ہیبر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے بقول مسلمانوں میں انگریزی زبان سیکھنے کا غیر معمولی رجحان موجود ہے۔ مصنف نے اس بیہودہ پراپیگنڈے کی بھی تغلیط کی ہے کہ مسلمان علماء نے انگریزی زبان و علوم کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔

Marfat.com

زیر نظر کتاب ان اصحاب علم وفضل کے ذکر سے عبادت ہے جنھوں نے علی گڑھ کے مدرسۃ العلوم کے قیام سے بھی پہلے مشرقی علوم السنہ کے دوش بدوش مغربی زبانوں اور مغربی علوم وافکار میں دلچسپی لی۔ انھوں نے نہ صرف مغربی علوم کا مطالعہ کیا بلکہ ان کے تراجم بھی کیے۔ بعض نے خود مغربی دنیا کی سیر وسیاحت کی۔ دراصل اس سارے طرز عمل کے پس پشت یہ حقیقت کارفرما تھی کہ علوم وفنون اور زبان ولسان کے باب میں اسلام کا نقطۂ نظر آفاقی ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں حضرت زید بن ثابتؓ کو غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا تھا اور انھوں نے تعمیل ارشاد میں سُریانی، ارامی، فارسی اور حبشی زبانیں سیکھیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے انگریزی زبان سیکھنے کے حق میں فتاوٰی دیے۔

پیش نظر کتاب آج سے کم وبیش بائیس تیئیس سال قبل شائع ہوئی تھی۔ اس کے مصنف پروفیسر محمد سلیم اسلامی علوم والسنہ کے ممتاز عالم تھے۔ وہ ایک طویل عرصے تک تعلیم اور متعلقات تعلیم پر اپنے رشحات فکر سے اہل پاکستان کو سیراب کرتے رہے۔ ان کی مذکورہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود جامع اور اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد اور فکر افروز ہے لہٰذا مجلس ترقی ادب کے ارباب علم نے اسے اشاعت ثانی کے لیے مفید پایا۔ اس میں راہ پا جانے والی اغلاط کی تصحیح کی اور اسے اپنے اشاعتی منصوبے میں شامل کیا۔ امید واثق ہے کہ اصحاب فکر ودانش اس نقشِ ثانی کو نقشِ اوّل سے بہتر پائیں گے۔ ادارہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا ممنون ہے جن کے توسط سے اس کتاب کی اشاعت ثانی کے لیے اجازت مرحمت ہوئی۔

ڈاکٹر تحسین فراقی

Marfat.com

مقدمہ

سابق حکمرانوں کے برخلاف انگریز ایک ایسی قوم تھی، جس کے نزدیک حکمرانی کا طریقہ مذہب اور اخلاق کی اقدار سے آزاد تھا۔ مقصد حاصل کرنے کے لیے اس کے یہاں کذب، فریب اور افتراء سب جائز تھا۔ کوئی امر مانع نہیں تھا۔ گردش فلک سے جب یہ قوم ہندوستان کے تخت حکومت پر براجمان ہوگئی تو اس نے سارے ہی ہتھکنڈے استعمال کیے۔ اس نے حکومت کرنے کا بنیادی اصول ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کو اپنایا۔ اس نے تمام رعایا کو ایک آنکھ سے نہیں دیکھا۔ ہندوؤں کو اس نے ابھارا اور ترقی دی، سرکاری ملازمتوں میں پیش پیش رکھا، ہندی زبان کی تشکیل کی اور پھر اس کو قومی زبان بنایا۔ سکوں، پتھروں اور سیاحوں کے بیانات جمع کر کے ان کے لیے تاریخ تیار کر دی۔ ان کے اندر قومی وحدت کا تصور پروان چڑھایا۔ سنسکرت کی مردہ بولی کو زندہ کیا۔ ناپید کتابوں کو ڈھونڈا، بہ ہزار دقت پڑھا اور پھر ان کو شائع کیا۔ ان کے علوم و فنون کو سنوارا۔ ان کو عزت و افتخار بخشا۔ یہ سب اس لیے کیا گیا کہ یہ قوم ہماری احسان مند رہے اور ہماری حکومت کی جڑیں مضبوط کرے۔

ہندوستان کی حکومت، انگریزوں نے مسلمانوں سے چھینی تھی۔ مسلمانوں سے وہ خار کھائے بیٹھے تھے، اور مسلمانوں ہی سے وہ خائف بھی تھے۔ اس لیے ان کو پست و فرومایہ بنایا، ذلیل و خوار کیا، ان کو محتاج و قلاش بنایا۔ ان کو ناخواندہ اور جاہل بنایا ان کی تاریخ مسخ کر دی کہ یہ سرِ افتخار بلند نہ کر سکیں۔ دوسری قوموں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت کے بیج بوئے تاکہ سب لوگ ان کو حقیر و ذلیل سمجھیں۔ یہ سب اس لیے کیا کہ یہ حکومت کے خلاف سر نہ اٹھا سکیں۔ ان تدابیر پر عمل پیرا ہو کر انگریز نے کل کی حکمران، آسودہ حال، ترقی یافتہ اور حوصلہ مند قوم کو پست ہمت، جاہل ناخواندہ، مفلس اور قلاش بنا ڈالا۔

Marfat.com

انگریزوں کی آمد کے وقت اسلامی نظامِ تعلیم سارے ملک میں سرگرمِ عمل تھا۔ ہر قسم کے مردانِ کار یہی نظامِ تعلیم مہیا کر رہا تھا۔ یہ ایک خودکار نظامِ تعلیم تھا۔ امراء، صاحبِ ثروت اور صاحبِ خیر حضرات جائیدادیں، معافیاں اور اوقافِ تعلیم کے لیے وقف کر دیتے تھے جن کی آمدنی سے مدارس چلتے تھے۔ علماء، فقہاء اور مشائخ معاش کی جانب سے یکسو ہو کر تعلیم، تبلیغ اور اشاعتِ علم میں مشغول رہتے تھے۔ خانوادے نسلاً بعد نسلٍ یہی مشغلہ جاری رکھتے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ ملک کے چپے چپے پر مدارس کا جال پھیلا ہوا تھا۔ تعلیم کے لیے کوئی فیس نہیں تھی۔ تعلیم حاصل کرنا نہایت آسان تھا۔ کمپنی کی حکومت کے آغاز میں میکس مولر (Max Muller) نے سرکاری ریکارڈ اور مسیحی مشنریوں کی رپورٹوں کو سامنے رکھ کر تخمینہ لگایا تھا کہ بنگال میں ۸۰ ہزار مدارس قائم ہیں۔ گویا ہر ۴۰۰ کی آبادی پر ایک مدرسہ قائم ہے اور یہ اچھی شرح تھی (۱)۔

ایسی تعلیم پرور قوم کو انگریز جاہل اور ناخواندہ بنائے بغیر اپنے مقاصدِ مذمومہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے انگریزی تدابیر کا اولین ہدف مسلمانوں کو جاہل بنانا قرار پایا۔ اس کے لیے ضروری سمجھا گیا کہ سب سے پہلے فیض رسانی کے وہ سوتے خشک کر دیے جائیں جن سے یہ مدارس سیراب ہو رہے ہیں۔ دوسرے گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے اوقاف اور معافیوں پر حملہ کیا۔ اس نے ۱۷۹۳ء میں قانون بازیافت Resumption Act. III of 1793 بنایا جس کی رو سے بعض معافیوں کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔ اس کو کافی نہ پا کر دوسرا قانون بازیافت Resumption Act. 19 of 1793 بنایا جو اس سے زیادہ سخت تھا جس نے ضبطیوں کا دائرہ وسیع کر دیا تھا۔ پھر اوقاف پر لارڈ ہسٹینگز نے حملہ کیا اور نیا قانون بازیافت Resumption Act. III of 1818-1819 بنایا جس کے ذریعہ ضبطیوں کا دائرہ مزید وسیع کر دیا۔ آخری مرتبہ ولیم بینٹنک نے ایک انتہائی سخت قانون بنایا۔ قانون بازیافت Resumption Act. III of 1828 نافذ کیا اور اس کو نافذ العمل بہ ماضی ۱۷۶۵ء قرار دیا۔ اس وقت کمپنی کی حکومت بنگال سے لے کر پنجاب میں چناب تک وسیع تھی۔ ایک نیا محکمہ بازیافت کھول کر سارے ملک کے اوقاف، معافیات اور لاخراج

Marfat.com

زیبنات کو تلاش کر کے بحق سرکار ضبط کر ڈالا۔ یہ کارروائی اس قدر سنگین اور سنگدلانہ تھی کہ ولیم ہنٹر کے الفاظ میں یہ اقدام مسلمانوں کے نظامِ تعلیم پر ضرب مرگ (Death Blow) ثابت ہوا۔ تمام مدارس بند ہوتے چلے گئے۔ علماء اور فضلاء کے ہزار ہا گھرانے نانِ شبینہ کے محتاج ہو گئے۔ ان اٹھارہ سالوں میں (۱۸۲۸ء-۱۸۴۶ء) علماء کا طبقہ بالکل تباہ و برباد ہو گیا (۲)۔ ایف ڈبلیو ٹامسن نے تعلیم کی اس تباہی پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے، زیادہ مدت نہیں گزری کہ پرانے نظام کو تباہ کرنے کا کام منظم طور پر شروع ہوا اور ڈائریکٹر تعلیمات کو بار بار خوشی کے ایسے لمحات میسر آتے تھے کہ ایک سال میں ایک ہی تحصیل میں چھ چھ سو، سات سات سو مدارس کے بند ہو جانے کی اطلاع ملتی تھی۔ نئی متشددانہ پالیسی کی بناء پر گزشتہ پچاس سال میں ہندوستان کا پرانا نظامِ تعلیم ختم ہو گیا اور بحیثیت مجموعی ناخواندگی میں اضافہ ہوا۔ پھر وہ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۸۰ء کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> اگر پرانا نظامِ تعلیم برقرار رہتا تو آج ۱۴ لاکھ طلبہ اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہوتے، حالانکہ آج کل زیرِ تعلیم طلبہ کی کل تعداد تین لاکھ ۵۰ ہزار ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ پرانے نظامِ تعلیم کے مقابلہ میں صرف ایک چوتھائی تعداد تعلیم حاصل کر رہی ہے (۳)۔

مزید برآں علماء کے طبقہ کو مسلمان معاشرہ میں بے دخل اور بے اثر بنانے کے لیے افلاس کی مار کے علاوہ پروپیگنڈے کے ذریعہ مختلف قسم کے الزامات کا ہدف بنایا مثلاً یہ کہ "یہ تنگ دل ہیں، تنگ نظر ہیں، ترقی کے دشمن ہیں۔" مثلاً ملاّ کے لفظ کو نشانہ بنایا اور ہر قسم کے عیوب اس سے وابستہ کر دیے۔ حالانکہ ابھی کل کی بات ہے کہ ملا عبدالرحمٰن جامی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور ملاّ جیون امیٹھی انتہائی عزت و احترام کے مستحق قرار دیے جاتے تھے۔

آغاز میں جدید تعلیم کے بارے میں کمپنی کی حکومت تذبذب کا شکار تھی۔ جنگ پلاسی

Marfat.com

۱۷۵۷ء کے بعد کمپنی بنگال، بہار اور اڑیسہ کی حکمران بن گئی۔ ۱۸۰۳ء میں مغلوں کی راجدھانی دہلی پر بھی کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔ مگر ۵۶ سال تک کمپنی کی حکومت نے تعلیم کے باب میں کوئی حرکت نہیں کی۔ بعض ذمہ دار انگریزوں کی یہ رائے تھی کہ ہندوستانیوں کو تعلیم نہ دی جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ پڑھ لکھ کر امریکیوں کی طرح یہ بھی باغی اور سرکش ہو جائیں گے (۴)۔

بہرکیف ۱۸۱۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستانیوں کی تعلیم کے لیے ''ایک لاکھ روپے'' کی رقم منظور کی جو سارے ملک کے لیے تھی۔ گویا حاتم کی قبر پر لات ماردی۔ دس سال تو اس بحث میں گزر گئے کہ یہ رقم کس قسم کی درس گاہوں پر خرچ کی جائے، قدیم پر یا جدید پر۔ ۱۸۲۳ء میں قدیم تعلیم کے چار پانچ کالج ملک میں قائم کیے گئے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ۱۸۳۵ء کی اسکیم میں میکالے نے مشرقی زبان اور علوم کی بساط الٹ دی اور ساری رقم مغربی تعلیم پر خرچ ہونے لگی۔

۱۸۱۳ء میں مسیحیت نواز تعلیم کے لیے حکومت نے کوئی شعبہ قائم نہیں کیا بلکہ انگریزی مشنری اداروں کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان آئیں اور یہاں کے لوگوں کو تعلیم دیں، مہذب بنائیں۔ پرائمری، ثانوی اور کالج، ساری تعلیم مشنری انجمنوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندوستانیوں کو مسیحیت سے مشرف بنانے کا ان کے لیے اچھا موقع تھا۔ انگلستان سے بیسیوں مشنری انجمنیں اس کارِ خیر کے لیے ہندوستان کی طرف دوڑ پڑیں اور یہاں نہایت جوش و خروش سے سرگرمِ عمل ہو گئیں۔ سارے ملک میں سکول اور کالج قائم کیے گئے۔ ان مشنری انجمنوں کا مقصد، جس کے لیے وہ ہزاروں میل کا سفر کر کے ہندوستان پہنچے تھے، جس کی خاطر وہ لاکھوں روپیہ صرف کر رہے تھے، ان کے الفاظ میں یہ تھے:

"Thorough knowledge of Christianity with evidence and doctrines."

بیس سال بعد نئے چارٹر کے اجراء کے وقت برطانوی پارلیمنٹ نے مشنری اداروں کی کارگزاری کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لیے ۱۸۳۳ء میں دنیا بھر کی

Marfat.com

مشنری انجمنوں کو صلائے عام دے دی، جو آنا چاہتا ہے آئے اور اشاعت مسیحیت کے کارِ خیر میں ہاتھ بٹائے۔ امریکہ، یورپ اور جرمنی سے مشنری دوڑ پڑے۔ مسیحی انجمنوں کی قائم کردہ تعلیم کی درسگاہوں کا ذرا تصور کیجیے۔ ایک مصنف یوں تصویر کشی کرتا ہے:

> مسیحیوں کا مقصد تعلیم دینے سے ہندوستانیوں کو مسیحی بنانا تھا۔ درس گاہ کا سارا ماحول مسیحیت نواز تھا۔ درس گاہ کا نام کسی مسیحی بزرگ کے نام پر ہوتا تھا۔ سینٹ جونز، سینٹ سٹیفن وغیرہ۔ اسکول اور کالج کی عمارت کے اندر گرجا تعمیر کیا جاتا تھا۔ ایک نمایاں مقام پر کنواری مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے نصب ہوتے تھے۔ اساتذہ سارے پادری اور بشپ ہوتے تھے، جو اپنے مخصوص مذہبی لباس پہن کر کلاس روم میں آتے تھے۔ سینہ پر صلیب نمایاں نظر آتی تھی۔ طلبہ ان کو استاد کی بجائے فادر کہہ کر پکارتے تھے۔ طلبہ کے لیے انگریزی لباس لازمی ہوتا تھا، گلے میں ٹائی لازمی تھی۔ تعلیم کا آغاز بائبل خوانی سے ہوتا تھا۔ نصاب میں بائبل کا گھنٹہ اس کے علاوہ ہوتا تھا جو ہر طالب علم کے لیے لازمی تھا۔

جو شخص بھی اس منظر اور پس منظر پر غور کرے گا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان تعلیم گاہوں کا مقصد مسیحیت کی اشاعت اور ترویج تھا۔ تعلیم تو برائے نام تھی۔ ۱۸۳۵ء میں نظامِ تعلیم کے معمار، لارڈ میکالے کی اسکیم بظاہر غیر جانب دار تھی اور حکومت کی سطح سے پیش کی گئی تھی لیکن تعلیم کے معمار نے ۱۸۳۶ء میں اپنے والد کو خط میں اپنی کامیابی کی خوشخبری ان الفاظ میں سنائی:

> کوئی ہندو جسے انگریزی تعلیم دی گئی ہو کبھی خلوصِ دل سے اپنے مذہب پر قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ میرا پختہ یقین ہے کہ اگر تعلیم کی ہماری

Marfat.com

تجویزوں پر عمل کیا گیا تو آج سے تیس سال بعد بنگال کے اچھے طبقے
میں ایک بھی بت پرست باقی نہیں رہے گا اور ایسا بغیر کسی تبلیغ کے ہو
جائے گا، ان کی مذہبی آزادی میں معمولی سی دخل اندازی کیے بغیر محض
علم وفکر کے نتیجے میں ہو جائے گا(۵)۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیر جانب داری کے ہزار ہا دعووں کے باوجود معماروں کے نزدیک مغربی تعلیم کے اصل مقاصد کیا تھے؟ مسلمان آخر اتنے گئے گزرے تو نہیں تھے کہ دیکھتی آنکھوں مکھی نگل لیتے۔ ان مدرسوں میں داخل ہوتے اور مسیحیت قبول کر لیتے۔ مسلمان مسیحیت کے خلاف تھے۔ ان درسگاہوں کے خلاف تھے جو مسیحیت کی اشاعت کے اڈے تھے۔ وہ نہ انگریزی زبان کے خلاف تھے اور نہ ہی مغربی علوم کے خلاف تھے۔ اس حقیقت کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ میکالے کی رپورٹ کے جواب میں تعلیمی کمیٹی کے ایک ممبر پرنسپ Princep نے جو رپورٹ پیش کی تھی (۱۵ فروری ۱۸۳۵ء) جس کو ولیم بینٹنک گورنر جنرل نے بالکل نظر انداز کر دیا، اس میں وہ لکھتا ہے کہ مسلمان انگریزی تعلیم کے خلاف نہیں ہیں:

جب پہلی مرتبہ ان (مسلمانوں) کو انگریزی پڑھانے کی تجویز پیش
کی گئی تو انھوں نے اس زمانہ کے مذہبی راہنما شاہ عبدالعزیز محدث
دہلوی سے فتویٰ لیا کہ اس بدعت کو اختیار کرنے سے ہم گناہ گار تو
نہیں بن جائیں گے۔ اس وقت انھوں نے ان کو نہایت معقول
جواب دیا تھا۔ اس کے بعد سے نہ صرف انگریزی زبان اور انگریزی
علوم کی تعلیم دینے اور اس فرقہ کو مزید ترقی کی راہ ہموار کرنے میں
بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے(٦)۔

بشپ ہیبر Bishop Heber نے (۱۸۲۴ء-۱۸۲٦ء) ہندوستان کا سفر اختیار کیا تھا۔
وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے:

Marfat.com

ہندوستان کے دوسرے باشندوں کے مقابلے میں مسلمانوں کا ہم سے نفرت کرنا قابل فہم ہے۔ لیکن حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ان کے اندر انگریزی زبان سیکھنے اور انگریزی اوضاع و اطوار اختیار کرنے کا زبردست جذبہ پایا جاتا ہے (۷)۔

گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنگ نے ایک پادری ولیم آدم کو بنگال میں مسلمانوں کی تعلیم کا جائزہ لینے کے لیے مامور کیا۔ اس نے ۱۸۳۵ء-۱۸۳۸ء کے اندر تین رپورٹیں حکومت کو پیش کیں۔ اس میں وہ لکھتا ہے: ''عام طور پر تعلیم یافتہ مسلمان، تعلیم یافتہ ہندو کے مقابلہ میں مغربی علوم حاصل کرنے کے لیے زیادہ آمادہ نظر آتے ہیں'' (۸)۔

وڈ مراسلہ ۱۸۵۴ء (Wood despatch) جو لندن سے تیار ہو کر آیا تھا، اس میں یہ اعتراف موجود ہے۔ مسلمان آبادی میں یورپی علوم سیکھنے کی روزافزوں خواہش سے بڑا اطمینان ہوا ہے۔ یہ سرکاری دستاویز تھی۔

لارڈ میو وائسرائے ہندوستان نے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کے اسباب معلوم کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ (قرارداد سرکاری نمبر ۳ مورخہ ۶ اگست ۱۸۷۱ء) ولیم ہنٹر اس کمیشن کے سربراہ تھے۔ اس کمیشن نے کہیں ذکر نہیں کیا کہ علماء نے انگریزی زبان کے خلاف کفر کے فتاویٰ دیے ہیں۔

ان شواہد کی موجودگی میں یہ الزام سراسر غلط ہے کہ مسلمان انگریزی زبان یا انگریزی علوم کے خلاف تھے یا یہ کہ مسلمان علماء نے انگریزی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمان مغربی تعلیم کے حاصل کرنے میں پیچھے کیوں رہ گئے۔ اس کے دو سبب تھے۔ وہ یہ کہ جو نظام تعلیم کمپنی کے دور میں ہندوستان میں نافذ تھا وہ تمام پادریوں کے ہاتھ میں تھا، مسیحیت نواز تھا۔ مسلمان ظاہر ہے کہ اس نظام سے اور اس ماحول سے ناراض اور بے زار تھے۔

Marfat.com

دوسری وجہ یہ تھی کہ انگریزی حکومت اپنی مخصوص پالیسی اور مخصوص مقاصد کے تحت یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ مسلمان جدید تعلیم حاصل کر کے ترقی پائیں یا ہندو کے برابر ہو جائیں۔ اس کے لیے پروپیگنڈے سے مخالف فضا تیار کی اور مختلف انتظامی تدابیر اختیار کیں اور مسلمانوں کو بہر حال تعلیم و ترقی کی راہ سے پیچھے دھکیل دیا۔ اس کے بھی شواہد موجود ہیں:

۱۔ ڈیوڈ ہیر اور رادھا کانت دیو نے مل کر ۱۸۱۷ء میں کلکتہ میں ایک نجی کالج قائم کیا، طالب علموں کو ترغیب دینے کے لیے آٹھ آنہ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا مگر حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس کالج میں کسی مسلمان کو داخلہ نہیں دیا جاتا تھا (۹)۔

۲۔ بشپ ہیبر نے اپنے سفرنامہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ مسلمانوں نے ڈھاکہ میں جدید تعلیم کا ایک اسکول کھولنے کا ارادہ کیا۔ تعلیمی کمیٹی کلکتہ کو درخواست روانہ کی مگر حکومت نے اس درخواست پر کوئی توجہ نہیں دی (۱۰)۔

۳۔ مفتی ولی اللہ نے فتح گڑھ، یوپی میں ایک خوبصورت عمارت تعمیر کرائی۔ وہاں ایک مدرسہ قائم کیا۔ فخر المرابع اس کا تاریخی نام رکھا۔ ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں اس کے لیے ایک جائیداد وقف کی، ایک کتب خانہ قائم کیا۔ پھر انھیں خیال آیا کہ یہاں جدید تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کرنا چاہیے۔ مفتی صاحب ۱۸۰۵ سے ۱۸۲۴ء تک کمپنی کی حکومت میں سرکاری مفتی کی حیثیت سے ملازمت کرتے رہے تھے۔ مقامی تعلیمی کمیٹی نے اس کے حق میں سفارش کر دی لیکن کلکتہ کی مرکزی کمیٹی نے درخواست کو رد کر دیا، اس کا ذکر مسٹر جان شور گورنر جنرل نے کیا ہے (۱۱)۔

۴۔ ہندو اسکول ٹول ناڈیا کو بنگال تعلیمی کمیٹی کی جانب سے سو روپیہ ماہانہ کی امداد ملتی تھی اور مسلمان اسکول بیر بو Beerbu کو صرف ایک روپیہ ماہانہ کی امداد ملتی تھی (۱۲)۔

۵۔ مونگیر، بہار میں شاہ غلام موسیٰ نے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا جس میں دینی تعلیم دی جاتی تھی ان کے ورثاء کو خیال آیا کہ یہاں انگریزی تعلیم کی کلاسیں بھی جاری کی جائیں۔ ۱۸۳۴ء میں

Marfat.com

انھوں نے اجازت کے لیے حکومت کو درخواست دی مگر حکومت نے سرد مہری کا رویہ اختیار کیا (۱۳)۔

۶۔ سب سے بڑا ظلم تو کمپنی کی حکومت نے یہ کیا کہ مسلمانوں کے اوقاف پر قبضہ کر کے ان کی آمدنی ہندو طلبہ پر صرف کی اور مسلمانوں کو محروم کر دیا۔ کلکتہ کے مشہور تاجر مُلّا محمد حسن نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس ۱۸۰۶ء میں ایک وقف قائم کیا جس کی آمدنی لاکھوں روپیہ تھی اور قاعدہ کے مطابق اس کے دو متولی مقرر کر دیے۔ حکومت نے متولیوں کو برخاست کیا۔ جائیداد پر خود قبضہ کیا اور پوری رقم سے ہگلی کالج ۱۸۳۶ء میں قائم کیا۔ کالج میں سارے طلبہ ہندو تھے اور سارے اساتذہ انگریز تھے۔ میکالے وقف کا سیکرٹری بن گیا۔ مسلمانوں نے احتجاجات کیے، عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا تب کہیں جا کر ہزار سے زائد ہندو طلبہ میں صرف تین مسلمان طلبہ کو داخلہ ملا (۱۴)۔

۷۔ ایسا ہی ایک ظلم چاٹگام میں ہوا وہاں میر یحیٰی نے ایک وقف قائم کیا۔ اس وقف پر حکومت نے قبضہ کر لیا۔ ساری آمدنی ایک سرکاری مدرسہ کو صرف کرنے کے لیے دے دی۔ مسلمان چیختے رہ گئے اور کوئی شنوائی نہیں ہوئی (۱۵)۔

یہ اور اس قسم کے واقعات واضح کرتے ہیں کہ انگریز حکومت مسلمانوں کو تعلیم دینا نہیں چاہتی تھی۔ ان کو جاہل رکھنا چاہتی تھی اور ہندوؤں کو تعلیم میں آگے بڑھانا چاہتی تھی۔ اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کی مخالفت نہیں کی تو پھر یہ الزام ان پر کس طرح لگ گیا؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ میکالے کی ۱۸۳۵ء کی قرارداد نے رائج الوقت نظامِ تعلیم کی بساط اُلٹ دی۔

۱۔ اس قرارداد نے عربی فارسی کی تعلیم یک قلم ختم کر دی۔

۲۔ طلبہ کے تمام وظائف ختم کر دیے۔

اس کے بعد سارا نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا۔ اس سے وابستہ لاکھوں افراد متاثر ہوئے۔

Marfat.com

ان میں مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے احتجاج کیا، محضر نامے پیش کیے۔ بعض حقیقت شناس انگریز بھی ان کے ہم خیال تھے جیسے جان اسٹریچی اور جان مل Mill، یہ محضرنامے کئی تھے جو گورنمنٹ کو پیش کیے گئے۔ کمیٹی کا سیکرٹری ڈاکٹر ولسن تھا...... یہ شخص مسلمان دشمنی اور ہندونوازی کے لیے مشہور تھا۔ اس نے اپنی وضع قطع برہمنوں جیسی بنالی تھی۔ برہمن اس کی پرستش کرتے تھے (Idol)، (۱۶)۔

یہ احتجاج، فارسی کے دوبارہ اجراء اور وظائف کے دوبارہ اجراء کے لیے تھا۔ اس شخص نے رپورٹ بناتے وقت یہ جملہ لکھ دیا کہ احتجاج انگریزی زبان کے خلاف ہے۔ حالانکہ انگریزی زبان وہاں موضوع بحث ہی نہیں تھی۔ اس نے ہندوؤں کو بری الذمہ قرار دیا اور مسلمانوں پر یہ الزام گھڑ دیا (۱۷)۔ اس رپورٹ کو سامنے رکھ کر جسٹس محمود نے تاریخ تعلیم لکھی، اس میں یہ جملہ لکھ دیا:

> ''ہندو تو تحصیل انگریزی کے شائق تھے لیکن مسلمانوں کا روّیہ
> انگریزی تعلیم کی جانب غیر دوستانہ تھا۔''

جسٹس محمود کے جملہ نے انگریزی دشمنی کے رویہ پر مہر توثیق ثبت کردی (۱۸)۔

مسلمانوں کے زوالِ علم فن کی ذمہ داری داخلی عوامل پر بھی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ انگریزی عہد کی تاریخیں اس انداز پر مرتب کی گئی ہیں کہ اصل حقائق پر پردہ پڑا رہ جاتا ہے۔ اصل عوامل اور محرکات اور اصل مجرم سامنے نہیں آتے۔ ظلم سے پردہ کشائی نہیں ہوتی۔ مظلوموں کی طرف سے کوئی آواز بلند نہیں کرتا۔ ناروا الزامات تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔

امر واقعہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے انگریزی زبان اور انگریزی علوم کے حق میں اس وقت آواز بلند کی جب نہ سرسید احمد خان کا کہیں پتا تھا نہ راجہ رام موہن رائے کا۔ میر محمد حسین فرنگی (۱۷۷۷ء) نے مرشد آباد کے اہلِ ثروت اصحاب کی مجلس میں مغربی علوم کی اشاعت کا ایک منصوبہ پیش کیا تھا جس کا ذکر غلام حسین طباطبائی نے ''سیر المتأخرین'' میں کیا ہے۔ اسی دور میں مولوی

Marfat.com

کرامت علی منگلوری نے اپنی کتاب ''مقدمہ علوم الالسنہ ولغات'' میں مغربی علوم کی اشاعت کی تجویز پیش کی ہے (۱۹)۔ (ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی، ص ۲۵۷) مولوی عبدالرحیم دہری گورکھپوری اس دور کی ایک اہم شخصیت تھے۔ انھوں نے تو باقاعدہ ایک درخواست حکومت کو پیش کی تھی، اس کا عنوان تھا:

''عرض داشت در باب ضرورت ترویج زبان انگریزی وعلوم فرنگ''

یہ عرض داشت مولانا ابوالکلام آزاد کے پاس موجود تھی (۲۰)۔

اس سب کچھ کے باوجود پروپیگنڈا جاری ہے کہ مسلمان علماء نے انگریزی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ انگریزوں کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈا کو ختم کرنے کی ایک ہی سبیل نظر آئی کہ مثبت طور پر ان اصحابِ علم وفضل کا تذکرہ مرتب کرنا چاہیے جنھوں نے گزشتہ صدیوں میں مغربی زبانوں اور مغربی علوم وافکار میں دلچسپی لی۔ مغربی علوم کا مطالعہ کیا اور مغربی علوم کے تراجم پیش کیے، مغربی زبان میں تصانیف کیں اور دیارِ مغرب کا مشاہدہ کیا۔ اسی احساس کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ مجھے اپنی نارسائی کا اعتراف ہے۔ احباب کا تعاون رہا تو ان شاء اللہ نقش ثانی زیادہ بہتر پیش کیا جائے گا۔

اس کتاب کی تیاری میں مجھے محترم حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے بہت امداد ملی ہے۔ وقتاً فوقتاً حکیم صاحب کے مشوروں سے بھی مستفید ہوتا رہا ہوں۔ میں صمیمِ قلب سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ وبیدہ التوفیق!!

محمد سلیم

تنظیم منزل، لاہور ۳۰ جون ۱۹۹۱ء

Marfat.com

Marfat.com

باب:۱

مغربی اقوام کی آمد ہندوستان میں

ا۔مغربی اقوام کی آمد

عالم مشرق میں مسلمانوں نے کسی فرنگی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔اچانک ۲۲ مئی ۱۴۹۸ء کو ایک پرتگالی جہاز جنوبی ہند کے ساحلی شہر، کالی کٹ پر لنگر انداز ہوا(۱)۔اس کا ملاح واسکوڈے گاما تھا۔وہ کالی کٹ کے راجہ کے دربار میں پہنچا(۲)۔حسن اتفاق سے اندلس کا ایک عرب سیاح وہاں دربار میں موجود تھا(۳)۔وہ اندلس کی علاقائی زبان قسطیلہ (Castile) جانتا تھا۔اس نے نووارد کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دیے۔واسکوڈے گاما نے جو تحفے تحائف راجہ کی خدمت میں پیش کیے ان کو دیکھ کر درباری ہنس پڑے اور انھوں نے ان کو حقیر سمجھا۔تاہم راجہ نے بڑی فراخ دلی سے نووارد کا اعزاز واکرام کیا۔

اہل مغرب کو ہندوستان آنے کا بحری راستہ معلوم ہوگیا، جس کے لیے وہ ایک عرصہ سے سرگرداں تھے۔عالم مشرق تک اہل مغرب کی براہِ راست رسائی ہوگئی۔مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کے سبب پرتگال میں دولت برسنے لگی۔ان کو دیکھ کر دوسری مغربی اقوام کو بھی ترغیب ہوئی۔انھوں نے بھی مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کے لیے کمپنیاں قائم کیں۔

پرتگالی (۱۴۹۸ء) ولندیزی، (۱۵۹۰ء) انگریز (۱۶۰۰ء) ڈنمارک (۱۶۱۸ء)

Marfat.com

فرانس (۱۶۶۴ء) بلجیئم (۱۷۱۹ء) جرمن (۱۷۵۱ء) ہندوستان میں وارد ہوئے۔ بلجیئم اور جرمنی کے لوگ بعد میں آئے۔ وہ کسی طور اپنی اہمیت محسوس نہ کرا سکے۔ ولندیزی اور ڈینی لوگوں نے تجارت سے ہی سروکار رکھا۔ البتہ پرتگالی، فرانسیسی اور انگریزوں نے تجارت کے ساتھ سیاست میں بھی حصہ لیا۔ آخر میں انگریز کمپنی تمام حریفوں کو پچھاڑ کر ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی جو دو صدیوں تک قائم رہی۔

پرتگالی:

پرتگالی سب سے پہلے آئے تھے۔ آتے ہی انھوں نے بحیرۂ عرب اور بحر ہند کی تجارت پر اور بحری راستوں پر قبضہ کرلیا۔ ایک صدی سے زائد عرصہ تک وہ بلاشرکت غیرے سمندروں کے حکمران رہے۔

پرتگالیوں کی ایک خاص قسم کی ذہنیت تھی۔ مسلمانوں کو اندلس (ہسپانیہ) سے خارج کر کے ایک طرف ان کا حوصلہ بلند تھا، دوسری طرف وہ تمام مسلمانوں سے شدید نفرت رکھتے تھے، تیسری جانب وہ مسیحیت کی ترویج اور اشاعت کے جذبے سے سرشار تھے۔

وہ اول روز سے مشرق میں مسیحی سلطنت قائم کرنے کا عزم لے کر آئے تھے۔ واسکوڈے گاما کی آمد کے گیارہ سال بعد پرتگال کی مرکزی حکومت نے الفانسوالبوترق (۱۵۰۹ء-۱۵۱۵ء) کو پرتگالی مقبوضات کا پہلا گورنر مقرر کیا۔ اس نے اپنے محسن، کالی کٹ کے راجہ کے محل کو توپ خانہ لگا کر اڑا دیا۔ بیشتر ساحلی شہروں پر قبضہ کرلیا اور وہاں قلعے تعمیر کیے گوا کو پرتگالی سلطنت کا دارالحکومت قرار دیا۔ لنکا سے لے کر انڈونیشیا تک بحر ہند پر ہر جگہ ان کا جھنڈا لہراتا تھا۔

پرتگالیوں کے سامنے دو مقاصد تھے، فروغِ تجارت اور اشاعت مسیحیت۔ مسیحیت کی اشاعت میں وہ ہر قسم کا جبر اور ظلم روا رکھتے تھے۔ تجارت میں وہ لوٹ کھسوٹ اور اجارہ داری پر کاربند تھے۔ سمندر میں قزاقی ان کا وطیرہ تھا۔ اہل ہند ان سے نفرت کرتے تھے۔

۱۵۸۰ء کے بعد پرتگال، اسپین کا باج گزار بن گیا۔ پرتگال کی سیاسی قوت کمزور پڑ

۱۴۱۴۱۴۱
Marfat.com

گئی۔ مرکزی حکومت کی پشت پناہی سے وہ محروم ہو گئے۔ تجارت کے میدان میں ڈچ آ گئے۔ وہ بہر حال ان سے بہتر تاجر تھے، وہ ان سے بازی لے گئے۔ بتدریج اہل پرتگال پس منظر میں چلے گئے۔ اہل ہند، اہلِ پرتگال سے بالکل متاثر نہیں ہوئے۔

فرانسیسی کمپنی:

فرانسیسی کمپنی کا دائرۂ کار جنوبی ہند تھا۔ وہیں ساحلی شہروں میں وہ تجارت کرتی تھی۔ پانڈی چری ان کا دارالحکومت تھا۔ ۱۷۲۰ء-۱۷۴۲ء تک ان کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ پرتگالیوں اور ڈچوں پر فرانسیسی فوقیت لے گئے۔ الیگزینڈر ڈوما Alexandre Dumas فرانسیسی کمپنی کا سربراہ بڑا منتظم شخص تھا۔ اس کی جگہ ڈوپلے Duplex ناظم اعلیٰ مقرر ہو کر آیا۔ اس کے زمانہ میں فرانسیسی کمپنی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ تجارت کے ساتھ سیاست میں بھی اس نے اپنا اثر ورسوخ بڑھایا۔ نظامِ حیدر آباد، نواب آرکاٹ اور حیدر علی والی میسور کے درباروں میں ڈوپلے کے اثرات نمایاں تھے۔ لیکن فرانس کی مرکزی حکومت ڈوپلے کے عزائم کا ساتھ نہ دے سکی، اس نے ڈوپلے کو واپس بلالیا۔ اس کا بنایا ہوا سارا کھیل ختم ہو گیا۔ مرکزی پشت پناہی سے محروم فرانسیسی کمپنی بتدریج زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔ ۱۷۶۰ء کے بعد اس کا اثر ختم ہو گیا۔

انگریز کمپنی:

انگریز کمپنی نے اپنی تجارت اندرونِ ملک شروع کی۔ یہ بھی اجارہ داری کے جابرانہ طریقۂ کار پر کاربند تھی۔ مغل شہنشاہ فرخ سیر (۱۷۱۲ء-۱۷۱۸ء) سے اس نے رعایت کا ایک فرمان حاصل کر لیا تھا۔ پھر اس کا جا و بے جا استعمال کیا اور خوب دولت سمیٹی۔ ۱۶۹۵ء میں بنگال کے نواب سے کلکتہ میں قلعہ بنانے کی اجازت حاصل کی اور قلعہ فورٹ ولیم تعمیر کیا۔ اس طرح سیاسی قوت فراہم کی۔ ۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ نواب بنگال کو شکست دے کر عملاً بنگال میں حکومت قائم کر لی۔ پھر مزید جوڑ توڑ سے ۱۷۶۵ء میں بکسر کی جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مغل شہنشاہ سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی (اختیارات) پر قبضہ کر لیا اور پھر بتدریج

Marfat.com

سارے ہندوستان پر قبضہ جما لیا۔ جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ سات سمندر پار سے آنے والے تاجروں نے دو صدیوں تک ہندوستان پر حکمرانی کی۔

۲۔ مغربی اقوام اور مسلمان

مسلمانوں کی ذہنیت:

دنیا میں سینکڑوں قومیں آباد ہیں۔ وہ خودرو درختوں کے جھنڈ کے مشابہہ ہیں۔ مادی احتیاجات اور شخصی و قومی خواہشات سے بڑا کوئی مقصد ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ یہی ان کے لیے سب سے بڑا محرکِ عمل ہے۔ ساری زندگی اسی محور پر بسر ہو جاتی ہے۔

اس کے برخلاف، مسلمان ایک عقیدہ اور ایک نظریہ کے مطابق زندگی گزارنے والی ایک قوم ہے جس کے افراد یا معاشرہ، دنیا میں مقصدی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ملت اسلامیہ من موجی سیلانیوں کا کوئی ٹولہ نہیں ہے، جہاں ہر سرپھرا جو چاہے کہہ دے اور جو چاہے کر ڈالے۔

مسلمان دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ یہ دنیا کی زندگی دراصل اس خلیفہ کا امتحان ہے۔ دنیا کی نعمتیں امتحان کے اسباب و وسائل ہیں۔ یہاں کوئی مرد ہے یا عورت ہے، مزارع ہے یا زمیندار، چپڑاسی ہے یا حکمران سب اپنے اپنے دائرہ کار میں موجود اسباب و وسائل کے اندر خلافت کا امتحان دے رہے ہیں۔ خیر و شر، حق و باطل، صواب و ناصواب، ظلم و جور، عدل و انصاف کی بنیادی اقدار کے تحت امتحان ہو رہا ہے۔ اختیار و ارادہ کا امتحان ہے۔ قوتوں اور صلاحیتوں کا امتحان ہے۔ مقصود حق، خیر، عدل اور فلاح کی اقدار کو اختیار کرنا ہے۔ مقصود حسنِ عمل، حسنِ کردار، حسنِ اخلاق کی پونجی جمع کرنا ہے جس کی آخرت میں اہمیت ہے۔

مسلمان کا مقصود دنیا میں رہ کر آخرت کے لیے تیاری کرنا ہے۔ آخرت میں دنیاوی امتحان اور دنیاوی زندگی کا نتیجہ سنا دیا جائے گا۔ اس لیے ایک مسلمان دنیا کو بہترین صلاحیتوں کے اظہار کے لیے، بہترین اقدار کے حصول کے لیے استعمال کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے برخلاف مسلمان دنیا کو نہ تو ترک کر سکتا ہے نہ من مانے طریقہ سے استعمال کر سکتا ہے۔

Marfat.com

زندگی بسر کرنے کے لیے اس نظریہ نے مسلمان کی ذہنیت ایک خاص انداز پر تشکیل کی ہے۔ تنگ دلی اور خودغرضی کے برخلاف اس کا ذہن آفاقی اور عالمگیر ہوتا ہے۔ دوسری قوموں اور نسلوں کے متعلق نفرت اور حقارت کے جذبات سے اس کا سینہ پاک ہوتا ہے۔ نسلی، وطنی، جغرافیائی امتیازات، دوسروں کے نزدیک انسان کی قدر و قیمت متعین کرتے ہیں، لیکن اس کے نزدیک بے وقعت ہوتے ہیں۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ وہ سب کے ساتھ ہمدردی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ رزق اور انعامات اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔ وہ مالک ہے جس کو جس قدر چاہے دے۔ اس لیے مادی اسباب و دولت کے نقطۂ نظر سے مسلمان کے اندر نہ تو رشک و حسد کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور نہ بخل و کنجوسی کے۔

ہندوستانی معاشرہ:

ہندوستان اس زمانہ میں تاج وتخت، مال و دولت، صنعت وحرفت، علم وفضل، ہر اعتبار سے انتہائی عروج پر تھا، اس زمانہ میں ہندوستان سونے کی چڑیا کہلاتا تھا۔ ساری دنیا کے لوگ ہندوستان سے تجارت کرنے کے خواہش مند رہتے تھے۔ یہاں دولت کی ریل پیل تھی۔ ہندوستان کو کسی طرح بھی اہل یورپ کی حاجت نہیں تھی۔

یورپ کا معاشرہ:

یورپ اس زمانہ میں معاشی، معاشرتی، تمدنی اعتبار سے ہندوستان سے کمتر اور فروتر تھا۔ مزید برآں ہندوستان میں یورپ کے شریف لوگ بہت کم آئے۔ تاجر آئے جو لوٹ کھسوٹ کی تجارت کرتے تھے۔ پادری آئے جو مذہبی طور پر محترم شخصیتوں پر بدکلامی کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ کوئی شریف آدمی تجارتی کمپنیوں میں بھرتی ہو کر وطن سے ہزاروں میل دور جانے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ کمپنیاں اس کے لیے مجرموں اور بدکردار لوگوں کو قید خانوں سے نکلوا کر یہاں لاتی تھیں۔ یہ لوگ معاشرہ کے پست درجے کے لوگ ہوتے تھے اور بدترین اخلاق و کردار کے حامل ہوتے تھے۔ یہاں آکر جس اخلاق و کردار کا انھوں نے مظاہرہ کیا، اس کو دیکھ کر اہل ہند کی رائے

Marfat.com

ان کے متعلق بہت خراب تھی۔ وہ ان کو جاہل تماشہ گر اور بحری قزاق سمجھتے تھے۔ مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں ضمناً فرنگی یعنی پرتگالیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

جاہل ہم چو فرنگیاں، فرنگیوں کی طرح جاہل

اکبر بادشاہ کو جب وزیر مال میر فتح اللہ شیرازی کے انتقال کی خبر ملی (۱۵۹۹) تو بے ساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

"اگر اس کو فرنگی اغوا کر لیتے اور اس کے بدلے میں سارے خزانے طلب کرتے، تب بھی میں یہ سودا کر ڈالتا، اور پھر بھی خود کو نفع میں سمجھتا" (۴)۔

اکبر بادشاہ کی نگاہ میں فرنگی بحری قزاق تھے۔ اس کے باوجود مسلمان حکمرانوں اور عوام نے ان فرنگیوں کو خوش آمدید کہا۔ گھومنے پھرنے کی، ہر قسم کی آزادی ان کو دی۔ مذہبی یا تجارتی کوئی رکاوٹ ان کے راستہ میں نہیں کھڑی کی۔

اجنبی زبانوں کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کا حکم:

مغربی اقوام کی آمد ہندوستان میں ایک عجیب وغریب واقعہ تھا۔ اہل ہند نے اس سے قبل فرنگ کے کسی آدمی کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ فرنگ کے ملکوں سے، وہاں کی اقوام سے، ان کے حالات اور وہاں کی زبانوں سے ناواقف تھے۔ ہندوستان میں اہلِ فرنگ کی آمد سے مسلمانوں کے شوقِ علم اور ذوقِ تجسس کو تحریک ہوئی کہ وہ فرنگ اور اہل فرنگ کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں۔

قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی جدوجہد کا تذکرہ کیا جائے، یہ امر نہایت ضروری ہے کہ پہلے غیر اسلامی زبانوں اور غیر اسلامی علوم وفنون کی تحصیل ومطالعہ کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر پیش کیا جائے، شریعت اسلامی کا حکم بیان کیا جائے۔ اس لیے کہ اس باب میں انگریزی حکومت نے سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر، مسلمانوں سے غلط باتیں منسوب کر دی ہیں۔ کامل ایک

Marfat.com

صدی تک ان غلط افواہوں کی باقاعدہ ترویج واشاعت ہوتی رہی ہے۔اس کے نتیجہ میں لوگوں کو یہ بات باور کرادی گئی ہے کہ اسلام اجنبی زبانوں کو سیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ غلط بات بھی پھیلائی گئی کہ مسلمان علماء نے انگریزی زبان سیکھنے کے خلاف کفر کے فتوے دیے ہیں۔ حالانکہ یہ سب انگریزی حکومت کا پروپیگنڈا تھا۔

اسلام، اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ آخری دینِ ہدایت ہے۔ یہ ایک عالم گیر دین ہے۔ اس کا خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ اس کی دعوت کسی خاص قوم یا قبیلہ یا ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس لیے اسلام کسی قوم سے یا قبیلہ یا ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس لیے اسلام کو نہ کسی قوم سے خاص محبت ہے اور نہ کسی قوم سے خاص نفرت، اور نہ کسی قوم کے علوم وفنون سے نفرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''حکمت مومن کا گم گشتہ مال ہے، جہاں ملے، اسے لے لو۔''

ایک اور فرمان ہے:

''علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے چین کا سفر اختیار کرنا پڑے۔''

ان ارشادات گرامی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا نقطۂ نظر علوم وفنون اور لسان وزبان کے متعلق آفاقی ہے اور عالمگیر ہے۔ کسی ملک، کسی قوم اور کسی زبان سے نہ اسے محبت ہے اور نہ نفرت۔

مثبت طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیر ملکی زبانیں سیکھنے کی ترغیب دلائی ہے، اور ہمت افزائی فرمائی ہے۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ غیر ملکی زبانیں سیکھیں، جس کے بعد انھوں نے سریانی، ارامی، فارسی اور حبشی زبانیں سیکھ لی تھیں۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سریانی زبان جانتے تھے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے اجنبی زبانیں سیکھنے کی عام اجازت دی ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور عالم ملا سلطان علی قاری ہروی

Marfat.com

۱۰۱۴ھ/ ۱۶۱۵ء مشکوٰۃ شریف کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

> ''شریعت میں کسی زبان کا سیکھنا جرم نہیں ہے۔ خواہ عبرانی ہو یا سریانی، ہندی ہو یا ترکی یا فارسی یا کوئی اور زبان ہو۔''

اسلام کا یہ نقطۂ نظر مشہور و معروف ہے۔ عہد غزنوی کے مشہور شاعر حکیم ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی ۵۲۰ھ/ ۱۱۲۱ء نے اسلام کا آفاقی نقطۂ نظر بڑے اچھے طریقے سے ایک شعر پیش کیا ہے:

سخن از بہر دیں گوئی چہ عبرانی چہ سُریانی
مکاں از بہر دیں جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

مقصود دین کی اشاعت ہو، خواہ کوئی زبان بولو، عبرانی ہو یا سریانی۔ مقصود دین کی خاطر وطن اختیار کرنا ہو، خواہ جابلقا ہو یا جابلسا۔ قدیم جغرافیہ نویسوں کے نزدیک معمورۂ ارضی کے انتہائی شمالی کناروں پر یہ دو انسانی بستیاں تھیں، ان کے آگے کوئی آبادی نہیں تھی۔

اس نقطۂ نظر کے مطابق مسلمانوں نے دنیا کی بیشتر زبانیں سیکھیں۔ وہ یورپ گئے تو یورپ کی زبانیں سیکھیں۔ ہندوستان آئے تو یہاں کی زبانیں سیکھیں۔ سلطان محمود غزنوی کے وقت سے دیوتاؤں کی زبان سنسکرت کو مسلمان علماء سیکھتے تھے۔ ہندی زبان سیکھتے تھے، ہندی میں شاعری کرتے تھے۔ مسعود سعد سلمان لاہوری (۵۱۵/ ۱۱۲۱) اور امیر خسرو (۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) دونوں ہندی زبان کے شاعر تھے۔

اس مشہور و معروف قدیم روایت کے مطابق مسلمانوں نے اہل مغرب کی زبانیں سیکھنے میں کبھی جھجک محسوس نہیں کی۔ اہل پرتگال کی آمد کے بعد سے مسلمانوں نے ان کی زبان سیکھنا شروع کر دی۔ ان کے بعد جب انگریزوں کا غلبہ ہوا تو پھر انگریزی زبان سیکھی۔ کسی دور میں مسلمانوں نے اجنبی زبانوں سے نفرت نہیں کی۔ بلکہ جب فتویٰ کی ضرورت محسوس ہوئی تو مسلمان علماء نے اجنبی زبانوں کے سیکھنے کے حق میں فتوے بھی صادر کر دیے۔

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے انگریز زبان سیکھنے کے حق میں فتویٰ دیا۔ (فتاویٰ عزیزیہ) مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھنوی (۱۸۸۶ء) نے بھی انگریزی زبان سیکھنے کے حق میں فتویٰ دیا:

> ''لغت انگریزی کا پڑھنا یا لکھنا اگر بہ لحاظ تشبہ کے ہو تو ممنوع ہے، اور اگر اس لیے ہو کہ ہم انگریزی زبان میں لکھے ہوئے خطوط پڑھ سکیں، ان کی کتابوں کے مضامین سے آگاہ ہو سکیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں'' (مجموعہ فتاویٰ، ج:۲،ص:۸۰)، (۵)۔

تشبہ سے مراد انگریزی طور طریقے اختیار کرنا، انگریزوں سے مشابہت اختیار کرنا اپنا تشخص اور اپنی انفرادیت کھو دینا ہے۔ اس کی ممانعت ہے۔

اس لیے مسلمانوں کو نہ فرنگ کے ملک سے نفرت تھی اور نہ اہل فرنگ سے۔ انھوں نے فرنگستان کا سفر اختیار کیا۔ وہاں جا کر بچشم خود حالات کا مشاہدہ کیا۔ وہاں لوگوں کی بود و باش اور طور طریقوں سے واقفیت حاصل کی۔ ان کو اہلِ فرنگ کی کسی زبان سے بھی نفرت نہیں تھی۔ انھوں نے اہل فرنگ کی زبانوں کو سیکھا۔ ان زبانوں میں موجود علوم کا مطالعہ کیا اور شاید آج یہ بات حیرت سے سنی جائے کہ مسلمانوں نے اہلِ فرنگ کی زبان میں کتابیں لکھیں۔ جن میں سے بعض آج بھی موجود ہیں۔

☆......☆......☆

Marfat.com

باب:۲

مغل شہنشاہ اور اہل مغرب

ا۔شہنشاہ اکبر(۱۵۵۶-۱۶۰۵ء)

پرتگالی جب ہندوستان آئے اس زمانہ میں مغل شہنشاہ ہندوستان پر حکمرانی کرتے تھے اور انھوں نے مغل شہنشاہوں سے تعلقات قائم کیے۔ پرتگال کے لوگ جو ہندوستان میں آئے، ان کے اندر یسوعی (Jesuit) فرقہ کے لوگ زیادہ سرگرمِ عمل تھے۔تحریک اصلاحِ دین (۱۵۱۷ء) (Reformation) کے انسداد کے لیے پوپ نے ۱۵۴۰ء میں ردِ تحریک اصلاح (Anti reformation movement) جاری کی تھی۔ اس کی سرگرم شاخ یسوعی فرقہ تھا۔اس فرقہ کے مبلغین یورپ اور ایشیا سب جگہ پھیل گئے تھے۔گوا، دارالحکومت میں بھی یہی فرقہ طاقتور تھا۔

جس زمانہ میں اکبر بادشاہ مذہبی امور کی تحقیق کر رہا تھا اس نے مختلف مذاہب کے لوگوں کو جمع کر رکھا تھا۔اس نے گوا کے مسیحی پادریوں کو بھی بلایا۔اس کے دعوت نامے پر دو پادری لاہور میں بادشاہ کی خدمت میں ۱۵۹۱ء میں حاضر ہوئے (۱)Father Edward Leiton (۲)Christopher de Vega بادشاہ نے ان کے ساتھ بڑی مہربانی کا برتاؤ کیا۔قیام اور طعام کا معقول انتظام کیا(۱)۔

فرنگی اسکول:

اکبر بادشاہ کی ترغیب پر انھوں نے لاہور میں فرنگی زبان کی تعلیم کا اسکول قائم

Marfat.com

کیا (۲ الف)۔ جس میں امراء اور نوابین کے بچوں کو داخلہ دلایا گیا۔ بادشاہ نے اپنے لڑکے مراد کو بھی اس میں داخل کرایا تھا۔ ان طلبہ کو لاطینی اور پرتگالی زبان لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا تھا (۲ ب)۔ لیکن پادریوں کو مسیحیت کی اشاعت سے خاص طور پر بادشاہ کو مسیح بنانے سے اصل دلچسپی تھی، اس لیے اسکول کے معاملہ میں انہوں نے زیادہ دلچسپی نہیں لی (۲ ج)۔ بہر کیف مغربی زبان سکھانے والا یہ پہلا مدرسہ تھا جو ہندوستان کی سرزمین پر قائم ہوا اور ایک مسلمان بادشاہ کی ترغیب سے قائم ہوا (۲ د)۔

ابوالفضل:

ابوالفضل اکبر بادشاہ کا وزیر اعظم تھا۔ بادشاہ کے حکم پر اس نے انجیل کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا (۹۸۶/ ۱۵۷۸ء)۔ یہ ترجمہ اس نے پادریوں سے پوچھ پاچھ کر کیا (۳)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے خود فرنگی زبان نہیں سیکھی تھی۔ ابوالفضل نے ترجمے کے آغاز پر بسم اللہ کی بجائے یہ شعر لکھا تھا:

بے نامے و اے ژو ژو کروسو
سبحانک لا سواک یا ہو

پہلا مصرع ابوالفضل کا ہے اور دوسرا فیضی کا ہے۔ ژو ژو کرو سو غالباً (Jesus-Christ) کی تفریس ہے۔

عبدالرحیم خان خاناں (۱۰۳۴/۱۶۲۳ء):

اکبر بادشاہ نے خان خاناں کو مامور کیا تھا کہ وہ فرنگیوں کی زبان سیکھے۔ اس نے کئی فرنگی زبانیں سیکھ لی تھیں۔ جن میں وہ بے تکلف لکھتا پڑھتا تھا۔ گوا کے پادریوں نے خان خاناں کو Xanacane (۴) لکھا ہے۔ اس کی زبان دانی کی سب نے تعریف کی ہے۔ فرید بھکری لکھتا ہے:

در ہر زبان کہ در عالم رائج است ماہر حرفی زد (۵)۔ ''دنیا میں جو بھی زبانیں بولی جاتی ہیں وہ سب میں ماہر تھا اور سب میں گفتگو کرتا تھا۔''

Marfat.com

مآثر رحیمی کے مصنف عبدالباقی نہاوندی نے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے:

''چونکہ ہندوستان کے اکثر ساحل عیسائیوں کے تصرف میں ہیں اور فرنگی سلاطین اور فرماں روایانِ ہند کے درمیان اکثر خط وکتابت کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ ظِلُ اللہ اکبر بادشاہ نے اس سپہ سالار (خان خاناں) کو حکم دیا کہ عیسائیوں کی زبان اور اس کا رسم الخط سیکھے۔ چنانچہ پائے تخت شاہی میں مقیم مسیحی روٴساء تجار اور سیاحوں سے تھوڑا سا ربط وضبط پیدا کیا اور باقاعدہ عیسائیوں کی زبان اور رسم الخط کی مشق کر لی اور اب بلاجھجک کہا جا سکتا ہے کہ خان خاناں عیسائیوں سے زیادہ عیسائیوں کی زبان کا ماہر ہے۔ اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالرحیم خان خاناں پہلا ہندوستانی مسلمان تھا جو مغربی زبان اور پرتگالی زبان جانتا تھا اور بلا تکلف بولتا تھا'' (٦)۔

عبدالستار بن قاسم:

عبدالستار مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ کا فرزند تھا۔ وہ اکبر کے دربار میں امیر تھا۔ اکبر کے حکم پر اس نے پرتگالی اور لاطینی زبانیں سیکھ لی تھیں۔ عبدالستار نے چھ ماہ کی مدت میں پادری ''جنز وغوشو'' سے یہ زبانیں سیکھ لی تھیں (٦۔الف)۔ وہ آسانی سے یہ زبان پڑھتا تھا۔ اس نے مشاہیر یونان وروما کے حالات پر ایک کتاب کا ترجمہ ثمرۃ الفلاسفہ کے نام سے کیا تھا۔ اس میں یونان اور روما کے فلسفیوں کے حالات ہیں۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد محمد حسین آزاد (م ۱۹۱۴ء) جب حکومت سے چھپے چھپے پھرتے تھے، تو کچھ زمانہ انھوں نے اپنے ہم سبق خلیفہ محمد حسین وزیر اعظم پٹیالہ کے پاس گزارا تھا۔ ان کے کتب خانہ کی سیر کی تھی۔ وہاں انھوں نے یہ کتاب دیکھی تھی۔ اپنی کتاب ''دربارِ اکبری'' میں انھوں نے کتاب کے دیباچہ سے چند سطریں نقل کی ہیں۔ اور خیال ہے کہ یہ کتاب جلوس ۱۸

Marfat.com

(۱۰۱۱ھ/۱۶۲۳ام) میں ترجمہ کی گئی (۷)۔ دربار اکبری کے بیان پر مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

> ''کاش! پنجاب کے کوئی بزرگ خلیفہ محمد حسین کے کتب خانے کی اس پہلی مغربی زبانوں سے ترجمہ شدہ کتاب کا سراغ لگائیں اور اس کے مضامین سے آگاہ بخشیں'' (۷الف)۔

حسن اتفاق سے ثمرہ الفلاسفہ دریافت ہوگئی ہے۔ دہلی میں آرکایوز میں یہ داخل ہوگئی ہے۔(۷ب)

عبدالستار قاسم نے ایک اور کتاب ''داستانِ احوال حواریان'' کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ عبدالستار قاسم نے ایک اور کتاب ''داستانِ مسیح'' کا پرتگالی سے فارسی ترجمہ پادری یرمو نیموزیویئر (Jermonimo Xavier) کی اعانت سے کیا تھا۔ زیویئر نے کتاب مذکور کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> ''مولانا عبدالستار قاسم لاہوری باتفاق ایں بندہ درہماں دارالخلافہ آگرہ ترجمہ کرد۔ درسن ہزار شش وصد و دو (۱۶۰۲ء) از ولادت حضرت ایشوع و چہل و ہفت الٰہی از جلوس مقدس شاہنشاہی (۴۷ جلوس) انجام یافتہ۔''

اس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''مولانا عبدالستار قاسم نے اس بندہ کے ساتھ تعاون کر کے دارالخلافہ آگرے میں یہ ترجمہ کیا۔ حضرت مسیح سے ایک ہزار چھ سو دو میں مطابق سینتالیس الٰہی جلوس مقدس شہنشاہ میں یہ ترجمہ مکمل ہوا'' (۸)۔

اس کتاب کا ایک باتصویر نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے (۹)۔ اس میں چار حصے (ابواب) ہیں۔

Marfat.com

(۱) پیدائش وطفولیت　　(۲) تعلیمات ومعجزات

(۳) موت وتعذیب　　(۴) احیاء ورفعت

۲۔شہنشاہ نورالدین جہانگیر(۱۶۰۵-۱۶۳۷ء)

ہندوستان میں مذہبی مناظرہ بازی کا سلسلہ مسیحی پادریوں کے ذریعہ جاری ہوا۔اس سے قبل ہندوستان میں مناظرہ بازی کا رواج نہ تھا۔پرتگالی یسوعی فرقے کے لوگ اشاعت مذہب مسیحیت کے جذبے سے سرشار رہتے تھے۔اس کے لیے وہ مناظرہ بازی کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔دوسرے مذاہب پر اعتراضات وارد کرتے تھے اور نازیبا زبان استعمال کرتے تھے۔

گوا کے ایک پادری زیویئر ہیر نموشوئر (Xavier Hier Nymo Shoer) نے دینِ اسلام کے خلاف ایک کتاب ''آئینہ حق نما'' فارسی زبان میں تحریر کی۔گوا سے چل کر ۱۶۰۹ء میں وہ آگرہ آیا اور وہاں اس نے یہ کتاب شہنشاہ جہانگیر کی خدمت میں پیش کی۔دربار کے ایک امیر سید احمد بن زین العابدین علوی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس کا جواب لکھا۔جواب کا نام ہے: ''لوامع الربانی فی ردّ اغلاط المسیحی''۔امیر سید احمد نے یہ کتاب محرم الحرام ۱۰۳۱ھ/ ۱۶۲۱ء میں لکھی۔اصل کتاب اور اس کا جواب دونوں آج کوئین کالج کیمبرج انگلستان کے کتب خانہ میں موجود ہیں (۱۰)۔

مسیحی کالج:

یسوعی فرقے کے پادریوں نے دارالحکومت آگرہ میں ایک گرجا اور ایک کالج قائم کرنے کی درخواست بادشاہ جہانگیر سے کی۔بادشاہ نے ایک قطعہ اراضی اس مقصد کے لیے پادریوں کو دیا (۱۶۰۹ء)۔(۱۰الف) یہاں انھوں نے یسوعی کالج (Jesuit College) ایک گرجا (Egreja) ایک قبرستان اور چند رہائشی مکانات تعمیر کرائے۔ایک عرصہ کے بعد ایک انگریز سیاح برنیئر (Bernier) نے اس کالج کو دیکھا تھا۔وہ حیرت کا اظہار کرتا ہے کہ تعلیم کے لیے ان کے پاس بچے کہاں سے آجاتے ہیں؟ یہ جگہ آج بھی موجود ہے۔

Marfat.com

۳۔ شاہجہاں بادشاہ (۱۶۲۷-۱۶۵۸ء)

اہل پرتگال اور ڈچ لوگوں کی تقلید میں اہل انگلستان نے بھی شرقی ممالک سے تجارت کرنے کے لیے ایک کمپنی قائم کی (۱۶۰۰ء)۔ انگلستان کے بادشاہ جیمس اوّل (۱۵۶۶-۱۶۲۵ء) نے ایک خط اور چند تحائف دے کر کپتان ہاکنس کو "عظیم مغل" کے دربار میں بطور سفیر کے روانہ کیا۔ ہاکنس جب آگرہ پہنچا تو جہانگیر بادشاہ کا دورِ حکومت تھا۔ بادشاہ نے سفیر کی عزت اور توقیر کی۔ ایک ارمنی عیسائی کنیز اس کو عنایت کی۔

جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں بادشاہ بنا۔ اس نے جواب میں انگلستان کے بادشاہ کو چند تحائف اور گلستان سعدی کا نہایت خوش خط اور مصور نسخہ ارسال کیا۔ نسخہ کے آخر میں شاہجہاں نے خود اپنے قلم سے ذیل کی عبارت درج کی ہے:

> "بتاریخ ۱۷ر صفر بالخیر واللطف ۱۱ جلوس مطابق ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء)
> مہری اس نسخۂ نفیسۂ گلستان رابانی گلشن رضواں و بخط نادر الزماں
> مولانا حکیم رکن است، بر سبیل تحفہ محبت اعلیٰ حضرت، کیواں حشمت،
> ذی جاہ ورفعت جائگاہ، پادشاہ ممالک انگلستان ارسال نمودہ۔
> حررہ شہاب الدین محمد شاہجہاں ابن نور الدین محمد جہانگیر ابن جلال
> اکبر بادشاہ۔"

یہ خوبصورت نسخہ آج لندن میوزیم کے مجموعہ چیسٹر بیٹی میں رکھا ہوا ہے (۱۱)۔

۴۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸-۱۷۰۷ء)

عہد عالمگیری میں عام مسلمانوں کے ذوقِ علم اور تحصیل علم و جستجو میں استواری پیدا ہو گئی تھی۔ اب عوام الناس میں ایسے افراد پیدا ہونے لگے تھے جو مغربی علوم کی تحصیل کرتے تھے اور مستقل مزاجی کے ساتھ مغربی علوم کی تحصیل کرتے تھے اور مستقل مزاجی کے ساتھ مغربی علوم کو حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں عہد عالمگیری کے دو امیروں کے نام

Marfat.com

نمایاں ہیں۔

معتمد خاں:

معتمد خاں کا اصلی نام رستم خاں بن دیانت خاں بدخشانی تھا۔ یہ بڑا علم دوست اور دیندار امیر تھا۔ گوالیار میں اس نے ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی (۱۰۷۳/۱۶۶۱ء)، (۱۲)۔ اس کو مغربی زبانوں کی تحصیل کا شوق تھا۔ ساتھ ہی مغربی ممالک کی سیر کرنے اور وہاں کے حالات سے باخبر ہونے کا شوق تھا۔ اس غرض کے لیے اس نے پرتگال کے دارالحکومت لزبن (لشبونہ۔ عربی) کا سفر اختیار کیا تھا۔ یہ پہلا ہندوستانی مسلمان تھا جو یورپ کے سفر پر روانہ ہوا۔ وہاں اس نے علم ریاضی کی ایک کتاب کا براہِ راست لاطینی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ کتاب کلاویس نے لکھی تھی۔ اس کا نام تھا:

> Clavious on Gromonics یہ روم اطالیہ سے ۱۵۸۱ء میں طبع ہوئی تھی۔ معتمد خاں نے اس کا ترجمہ کتاب المقائس کے نام سے کیا تھا" (۱۳)۔

اصل کتاب اور اس کا ترجمہ دونوں انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہیں۔ کتاب کے حاشیہ پر ایک جگہ مصنف کے صاحبزادے مرزا محمد نے یہ عبارت لکھی ہے:

> "کتاب المقائس جسے کلاویس افرنگی نے لاطینی زبان میں لکھا اور جس کا ترجمہ میرے والد نے عربی زبان میں کیا ہے" (۱۴)۔

دانشمند خاں (۱۶۷۰ء):

یہ عہد شاہجہانی اور عہد عالمگیری کا ایک معروف امیر ہے، عالم ہے۔ اس کا اصل نام محمد شفیع یزدی تھا۔ وہ ملا شفیعائے یزدی بھی کہلاتا تھا۔ فرانسیسی سیاح برنیئر کا بیان ہے کہ وہ فوج کا میر بخشی اور ممالک غیر کا وزیر تھا۔ برنیئر جب ہندوستان میں آیا تو پہلے کچھ عرصہ شہزادہ داراشکوہ کی مصاحبت میں رہا اور پھر آخر تک دانش مند خاں کا ملازم رہا (۱۶۵۶-۱۶۶۸ء)۔

Marfat.com

برنیئر کا بیان ہے کہ:

اسے اپنے منصب کے اہم کاموں کی وجہ سے صبح کے وقت فرصت نہیں ملتی تھی۔ اس وجہ سے وہ رات کے وقت اور سہ پہر کے وقت مطالعہ کرتا تھا۔ اس کو علم ہیئت، جغرافیہ اور تشریح (اعضاء) کا خاص شوق تھا۔ وہ گیسنڈی اور ڈیکارٹ کی تصانیف بڑے شوق سے پڑھتا تھا (۱۵)۔ جو شخص براہِ راست گیسنڈی (۱۵۹۲-۱۶۳۵ء) اور ڈیکارٹ (۱۵۹۶ء-۱۶۵۰ء) (Rene Descartes) کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہو وہ ضرور فرانسیسی زبان جانتا ہوگا اور بلاتکلف اس زبان میں کتابیں پڑھتا ہوگا۔

مولانا عبدالحئی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس نے اپنے دربار میں ہنود اور فرنگی اہل علم کو جمع کیا تھا۔ ان سے استفادہ کرتا تھا۔ فلسفہ اور تاریخ میں ان سے مذاکرات کرتا تھا۔ وہ کثیر المطالعہ تھا۔ وہ متعدد زبانیں جانتا تھا'' (۱۶)۔

اس بیان سے برنیئر کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

۵۔ محمد شاہ بادشاہ (۱۷۱۹-۱۷۴۸ء)

مہاراجہ جے سنگھ (۱۶۹۳-۱۷۴۳ء):

ہندوستان میں علم ہیئت و فلکیات کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ، زیچ محمد شاہی کی تیاری ہے۔ عہد محمد شاہی کے ایک درباری امیر جے پور کے راجہ مہاراجہ جے سنگھ ثانی، عربی فارسی میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کو علم ہیئت اور فلکیات کا بہت شوق تھا۔ اس نے ایک نئی زیچ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا۔

اس نے ستارہ شناسی کے لیے بڑے پیمانے پر اہتمام کیا۔ ہندوستان کے تین اہم

Marfat.com

مقامات دہلی، جے پور اور اجین پر اس نے تین رصد گاہیں (observatories) تعمیر کرائیں (۱۱۳۷ء)۔ اس منصوبہ پر راجہ نے کوئی تیس لاکھ کی رقم صرف کر دی اور سات برس تک کام جاری رہا۔ رصد گاہوں (observatories) کے اس منصوبہ کے نگراں مشہور مہندس استاد خیر اللہ خاں دہلوی تھے (۱۱۲۱ھ/۱۷۴۸ء)، (۱۷)۔

دورانِ تحقیق راجہ کو علم فلکیات سے متعلق اہل فرنگ کی معلومات فراہم کرنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک فرانسیسی یسوعی پادری بوڈیئر (Boudier) کو جے پور طلب کیا (۱۷۲۴)۔ اس سے علم ہیئت کی معلومات حاصل کیں۔ مزید برآں راجہ نے ایک پرتگالی پادری فیگر دو (Jesuit Father Figuerdo) کو ۱۷۳۵ء میں یورپ روانہ کیا تاکہ وہاں سے فن کی کتابیں ہندوستان لائے (۱۸)۔ قدیم و جدید معلومات فراہم ہونے کے بعد اس نے زیچ محمد شاہی تیار کی۔ یہ مشرق کا پہلا رصد خانہ ہے جس نے مغربی تحقیقات سے استفادہ کیا۔ اس رصد خانہ کی تحقیقات فلکی سے زیچ محمد شاہی تیار کی گئی، جو تین مقالات پر مشتمل ہے:

> ''اوّل در معرفت سنین، دوم در معرفت طالع ہر وقت، سوم در معرفت رفتار سیارات ثوابت'' (۱۹)۔

☆......☆......☆

Marfat.com

باب:۳

اہل دکن، مغربی زبان اور مغربی علوم

۱۷۶۰-۱۸۷۰ء

مغربی اقوام نے جنوبی ہندوستان کو اپنا مسکن بنایا۔ جنوب کے لوگوں کا ان سے زبان کا خلا ملا رہتا تھا۔ اس لیے ان کو مغربی زبان اور مغربی علوم کے جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ شوق کی تکمیل کے مواقع بھی ان کو حاصل تھے۔ اس لیے انھوں نے مغربی زبان اور علوم کی تحصیل کی طرف توجہ دی۔ مغربی اقوام دکن کی سیاست میں بھی دخیل رہی ہیں۔ اس لیے طبقہ امراء کو بھی ان کے متعلق براہِ راست معلومات حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس جہت سے امراء اور نوابین نے بھی مغربی زبانیں سیکھیں۔ ان میں سے بعض کو تو پھر مغربی علوم کی تحصیل کا شوق بھی ہو گیا۔

ا۔ نوابین اور امراء

سید احمد قطب شاہی امیر:

حیدر آباد کا قطب شاہی خاندان بڑا علم دوست تھا۔ ان کا دربار بڑا علم پرور تھا۔ مختلف زبانوں کی ہمت افزا کرتا تھا، اس قدیم زمانہ میں اس خاندان نے اردو زبان کی خاص طور پر سرپرستی کی تھی۔ ان کے یہاں علم و فضل کے ماہرین کی بڑی قدردانی ہوتی تھی۔

عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۵-۱۶۷۴ء) کا داماد سید احمد بڑا علم دوست امیر تھا۔ اس کو علم ریاضی سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔ پھر اسے مغربی ریاضی کی تحصیل کا بھی شوق ہوا۔ ایک مرتبہ اسے

Marfat.com

معلوم ہوا کہ ایک ولندیزی پادری افرائیم حیدرآباد میں آیا ہے۔ وہ علم ریاضی کا بڑا ماہر ہے۔ سید نے پادری مذکور کو بلوایا اور اس کو اپنے پاس قیام کرنے کی درخواست کی۔ وہ پادری بٹاویہ (حال جکارتا دارالحکومت انڈونیشیا) سے لوٹ کر اپنے وطن ہالینڈ جا رہا تھا۔ بڑی عجلت میں تھا، وہ کسی قیمت پر قیام کرنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس طرح سید احمد کے ذوق کی تکمیل نہ ہو سکی (۱)۔

سلطان حیدر علی (۱۷۶۳-۱۷۸۲ء) والئ میسور:

سلطان حیدر علی بڑا طاقتور حکمران تھا۔ میسور کی بادشاہت اس نے اپنے زورِ بازو سے حاصل کی تھی۔ اشاعت علم کے سلسلہ میں قدیم زمانہ سے مسلمان حکمرانوں کی یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ کوئی شخص مدرسہ قائم کرتا تھا تو مسلمان حکمران اشاعت تعلیم کی غرض سے اس مدرسہ کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ اس روایت کے تحت مسلمان حکمرانوں نے فرنگیوں کے قائم کردہ اسکولوں کی بھی امداد کی۔ مدراس میں کمپنی کے انگریز ملازمین نے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے نجی اسکول قائم کیے۔ ان کو وہ رفاہی اسکول (Charity School) کہتے تھے۔ ایسے بعض اسکولوں کی سلطان حیدر علی نے مالی امداد کی تھی (۲)۔

سلطان ابوالفتح ٹیپو (۱۷۸۲ء-۱۷۹۷ء):

اس دور کی تاریخ میں سب سے زیادہ درخشاں نام سلطان ابوالفتح ٹیپو کا ہے۔ سلطان ایک دور اندیش مہذب اور لائق حکمران تھا۔ عصری تقاضوں کا اسے پوری طرح احساس تھا۔ ان نقائص کو پورا کرنے کی اس نے مقدور بھر کوشش کی۔ سلطان کا زمانہ بڑا پر آشوب تھا۔ اس کے گرد سازشوں کا جال تھا۔ اس کے مشیرانِ کار دور اندیشی اور بصیرت سے محروم تھے۔ اس لیے وہ اپنی اسکیموں کو کامیابی سے ہم کنار نہیں کر سکا۔

سلطان پہلا ہندوستانی حکمران تھا، جس نے مغربی اقوام کی اہمیت کا ادارک کیا۔ اس نے ایک وفد ۱۷۸۸ء میں فرانس کے بادشاہ لوئی شانزدہم کے دربار میں بھیجا۔ ایک سال بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ فرانس میں انقلاب برپا ہو گیا۔ چند سالوں تک بڑے پیمانے پر قتل و غارت

Marfat.com

گری کا بازار گرم رہا۔ وفد ایک مکان میں محبوس رہا۔ جب ذرا امن قائم ہوا تو وفد بے نیل مرام وطن کے لیے واپس روانہ ہوا اور مئی ۱۷۹۸ء میں سرنگا پٹم پہنچا (۳)۔ یہ پہلا سرکاری وفد تھا جو ہندوستان کے کسی حکمران نے یورپ روانہ کیا۔ کسی وفد یا سیاح نے اتنا طویل عرصہ، دس سال، یورپ میں قیام نہیں کیا۔ انقلاب فرانس ان کی آنکھوں کے سامنے گزرا۔ مگر یہاں بھی ایک سال بعد ہی ٹیپو شہید ہو گیا (۱۷۹۹ء)۔ معلوم نہیں ارکان وفد پر کیا گزری؟ شاید انھوں نے حالاتِ سفر نہیں لکھے۔

سلطان نے مغربی علوم وفنون کی تحصیل کے لیے ایک جدید انداز کی تعلیم گاہ قائم کی۔ اس کا نام جمیع الامور رکھا (۴)۔ گمان یہ ہے کہ جمیع الامور، یونیورسٹی کا ترجمہ ہے۔ اس جامعہ میں فرانسیسی اہل علم کو بطور استاد مقرر کیا گیا تھا (۵)۔ اس جامعہ کے ساتھ مغربی علوم کے ترجمہ کا ایک شعبہ تھا۔ چند کتابوں کا یہاں ترجمہ کیا گیا۔ ان کا تفصیلی ذکر ترجمہ کے ذیل میں آگے آئے گا۔

سلطان ٹیپو کی ایک عالی شان لائبریری تھی، جس میں ہزاروں کتابیں تھیں۔ صرف ایک نادر الوجود قرآن مجید قصر شاہی ونڈسر لندن میں بھیجا گیا۔ بقیہ کتب فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں منتقل کر دی گئیں۔ چارلز اسٹورٹ کو ان کتابوں کی فہرست تیار کرنے کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ اس نے سرکاری ملازمت ترک کر کے اپنی ذاتی حیثیت سے فہرست تیار کی۔ سرکاری منشی بھی اس کا ساتھ نہ دے سکے۔ صرف مولوی حسین علی نے آخر وقت تک ساتھ دیا۔ سلطان کی شہادت کے بعد قلعہ شاہی پر برطانوی افواج نے قبضہ کر لیا۔ یہ لائبریری بھی قبضہ میں آئی۔ فہرست کا عنوان یہ تھا:

Descriptive Catalogue of the Oriental Library of the late Tippo Sultan of Mysure By: Charles Stuart, London, 1809.

نواب محمد علی، آرکاٹ (۱۷۵۰-۱۷۹۵ء):

پرتگالی مسیحی بچوں کی تعلیم کے لیے ایک انگریز افسر مسٹر کیمبل نے ایک رفاہی اسکول (Charity School) قائم کیا تھا۔ جب نواب محمد علی کو اس کی اطلاع ملی تو اسلامی روایات کے

Marfat.com

مطابق اس نے اس سکول کے امداد کے لیے ایک خطیر رقم کا عطیہ دیا تھا (۷)۔

نواب غلام غوث بہادر والا جاہی، آرکاٹ (۱۸۴۱-۱۸۵۵ء):

اس دور میں آرکاٹ پر اور سارے دکن پر انگریزی حکومت کی بالادستی قائم ہو چکی تھی۔ اس لحاظ سے نواب غوث محمد خاں انگریزوں کے زیردست تھے، وظیفہ خوار تھے (۸)۔ انگریزی حکومت سے معاملات طے کرنے میں انگریزی زبان کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، اس لیے سیاست کاری میں دخیل اربابِ اختیار اس زبان کی اہمیت کو محسوس کرتے تھے اور پھر اس کو سیکھتے تھے۔ نواب غوث محمد خاں نے بھی انگریزی زبان کی تعلیم محمود خاں دبیر سے حاصل کی تھی (۹)۔

مدرسہ اعظم:

نواب غلام غوث خان بہادر ۱۸۴۱-۱۸۵۵ء نے ۱۲۶۸ھ میں مدرسہ اعظم آرکاٹ میں قائم کیا۔ مدرسہ عام تھا ہندو مسلمان سب پڑھتے تھے۔ یہاں عربی، فارسی، اردو، ٹامل، ٹیلگو کے علاوہ انگریزی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ شاید یہ پہلا مدرسہ ہے جو کسی مسلمان امیر نے قائم کیا، اور وہاں انگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی تھی۔ نواب اپنے سرکاری وظیفہ کی رقم سے پانچواں حصہ بارہ ہزار روپیہ ماہانہ اس مدرسہ پر خرچ کرتا تھا۔ ٹیلر انگریزی پڑھاتے تھے، ان کو سو روپیہ ماہانہ ملتے تھے۔

مختارالملک نواب سالار جنگ، حیدرآبادی (۱۸۵۳-۱۸۸۳ء):

نواب سالار جنگ حیدرآباد دکن کے مشہور و معروف وزیر اعظم تھے۔ ان کا اصلی نام تو میر تراب علی تھا، مگر مختار الدولہ سالار جنگ اوّل کے نام سے مشہور تھے۔

یہ ۱۸۵۳ء میں وزیر اعظم بنے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں نظام افضل الدولہ کا انتقال ہو گیا اس وقت تخت کے مالک نظام محبوب علی خان نابالغ تھے۔ اس لیے حکومت کی لگام عملاً سالار جنگ کے ہاتھ میں رہی۔ ۱۸۸۳ء میں انتقال کے وقت تک یہ ریاست کے وزیر اعظم اور مختارِ کل رہے۔ یہ

Marfat.com

انگریزی حکومت کے بڑے وفادار تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جنوب کو انگریزوں کا وفادار بنائے رکھنا سالار جنگ ہی کا کارنامہ تھا۔ انھوں نے برار کا علاقہ انگریزی حکومت کو دلوا دیا (۹)۔ ریاست حیدر آباد میں جدید اصلاحات اور جدید ادارے انھی کے عہد میں نافذ ہوئے۔ بڑے دانشمند اور باتدبیر وزیر تھے۔ انگریزی حکومت ان کو اپنی دوستی کا اہم ستون تصور کرتی تھی۔

مدرسہ عالیہ:

نواب سالار جنگ کو عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے حیدر آباد میں مدرسہ عالیہ کے نام سے ایک درسگاہ قائم کی تھی۔ جس میں عربی، فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ انگریزی زبان کی تعلیم دینے والا یہ پہلا مدرسہ تھا جو سرسید کے مدرسہ سے بہت پہلے قائم ہوا تھا۔ تدریس کے لیے اس مدرسہ میں بڑے بڑے صاحبان علم وفضیلت جمع کیے گئے تھے۔ یہ مدرسہ ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں قائم ہوا تھا۔ مدرسہ عالیہ میں ریاست حیدر آباد دکن میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کی تدریس کا بھی انتظام تھا (۱۰)۔ ۱۸۷۶ء میں انھوں نے انگلستان کا سفر اختیار کیا۔ وہاں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔

۲۔ عوام وخواص

عام مسلمانوں میں سے بعض افراد اپنے ذوقِ علم اور شوقِ جستجو کی تسکین کے لیے اور بعض دوسرے انگریزی کمپنی کی حکومت میں ملازمت حاصل کرنے کے لیے، انگریزی زبان سیکھتے اور انگریزی علوم کا مطالعہ کرتے تھے۔ ساحلی علاقہ پر مغربی اقوام کی تجارتی کوٹھیاں تھیں۔ اس لیے عوام کو ان سے ملنے کے مواقع زیادہ ملتے تھے اور وہ ان سے زبانیں سیکھ لیتے تھے۔

شیخ مہدی واصف بن عارف حنفی:

شیخ مہدی واصف ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں کرناٹک میں پیدا ہوئے۔ کرناٹک کے شاہی خاندان سے ان کے نسبی روابط تھے۔ خاندان میں علم وفضل کی روایات چلی آرہی تھی۔ تعلیم کا آغاز خانگی طور پر ہوا اور ۱۲۳۲ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ واصف کو زبانوں کی تحصیل کا بڑا شوق

Marfat.com

تھا۔عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی زبانیں خوب جانتے تھے۔مقامی زبانیں تلنگی، ملیالم اور کنڑی بخوبی جانتے تھے اور ان میں بہ سہولت گفتگو کر سکتے تھے۔پہلے مدراس میں نو وارد انگریزوں کو اردو کی تعلیم دیا کرتے تھے۔پھر جب حیدر آباد میں دارالعلوم (مدرسہ عالیہ) قائم ہوا تو اس میں (۱۲۷۱ھ) انگریزی کی تعلیم دیتے رہے۔وہاں ۱۷ سال تک تدریس کے فرائض انجام دیے۔

واصف ایک اچھے شاعر تھے۔انھوں نے شاعروں کا تذکرہ معدن الجواہر کے نام سے مرتب کیا ہے۔وہ مصنف بھی تھے۔ان کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ۵۰ کے قریب ہے۔ایک انگریزی لغت کا ترجمہ انھوں نے کیا تھا۔اس کا نام "دلیل ساطع" ہے۔۱۲۵۹ھ میں تیار ہوئی تھی۔اس کا مطبوعہ نسخہ دارالعلوم منصورہ حیدر آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

واصف کا قابلِ قدر کارنامہ حدیقۃ المرام ہے۔یہ دکن کے علماء کا تذکرہ ہے، یہ عربی زبان میں ۱۲۷۰/۱۸۵۴ء میں مرتب ہوا ہے۔اسی زمانہ میں مدراس سے طبع ہوا تھا۔کراچی میں سخاوت مرزا نے اس کا اردو ترجمہ کرایا اور انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی نے ۱۹۸۲ء میں اسے شائع کیا۔اس تذکرہ سے دکن کی اہل علم شخصیات کا حال معلوم ہوتا ہے۔واصف کا سنہ انتقال ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء ہے (۱۱)۔

خان جہاں خاں:

یہ نواب آرکاٹ کے درباری امیر خان عالم خان کے صاحب زادے تھے۔ان کی ہمشیرہ نواب عظیم جاہ والا جاہی (۱۸۱۱-۱۸۱۸ء) سے منسوب تھی۔انھوں نے جدید علم طب کی تعلیم مدراس کے طبی مدرسہ (میڈیکل کالج، مدراس) میں داخل ہو کر باقاعدہ حاصل کی تھی۔پھر اسی کو ہی انھوں نے ذریعہ معاش بنایا۔ساری زندگی وہ اس پیشہ کی خدمت کرتے رہے۔وہ اپنے علاقہ میں ایک ماہر ڈاکٹر کی حیثیت سے مشہور تھے (۱۲)۔

خیرالدین خاں:

یہ خان جہاں خاں کے بھائی تھے۔بڑے بھائی کے ساتھ انھوں نے بھی طب

Marfat.com

انگریزی کی تعلیم میڈیکل کالج مدراس سے حاصل کی تھی۔ انھوں نے بھی طب کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ یہ بہت ذہین اور فہیم تھے (۱۳)۔

مولوی حسن علی:

انگریزی کمپنی نے مدراس میں ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ مولوی حسن علی اس مدرسہ میں ریاضی کی تعلیم دیتے تھے۔ مولوی حسن علی نہایت حلیم الطبع آدمی تھے۔ ان کا انتقال ۲۹ رجب ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء کو ہوا (۱۴)۔

خان عالم فاروقی:

یہ خان جہاں خاں کے صاحب زادے تھے۔ یہ مختلف علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ مثلاً طب، ریاضی، موسیقی، عروض وغیرہ۔ مزید برآں مختلف زبانیں جانتے تھے۔ مثلاً عربی، فارسی، ترکی، انگریزی اور دکن کی مقامی زبانیں بھی جانتے تھے۔ ترکی زبان انھوں نے مرزا علی بخت اظفری دہلوی سے سیکھی تھی۔ یہ مغل شہزادے تھے جو دربار آرکاٹ میں آ گئے تھے۔ خان عالم کا ہاتھ کشادہ تھا۔ ان کا دسترخوان وسیع تھا اور وہ پکے موحد تھے۔ ۲۲؍رمضان المبارک ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء کو ان کا انتقال ہوا (۱۵)۔

حیدر جنگ بہادر:

دربار آرکاٹ سے منسلک یہ ایک دانا اور فہیم امیر تھے۔ فارسی اور انگریزی زبانوں پر قدرت رکھتے تھے۔ نواب اعظم خاں والی آرکاٹ (۱۲۲۵ھ/۱۸۱۸ء) نے اپنی پنشن کے معاملات حل کرانے کے لیے حیدر جنگ بہادر کو برطانوی حکومت کے پاس لندن روانہ کیا تھا۔ یہ وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے اور متعلقہ افراد سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ مگر بالآخر ناکام لوٹ آئے (۱۶)۔

عبدالقادر:

یہ غلام نبی تحصیل دار کے بیٹے تھے۔ نیلور کے رہنے والے تھے۔ عربی فارسی کے عالم

Marfat.com

تھے۔ انگریزی زبان میں اور بعض مغربی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ مدرسہ عالیہ میں ایک مدت تک تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے (۱۷)۔

سید عبدالغفار:

سید عبدالغفار بن سید عبدالقادر نے سرکار نظام حیدر آباد دکن کے قائم کردہ مدرسہ طبابت انگریزی میں پانچ سال تک باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور پھر سند حاصل کی۔ حکومت نے ان کو سرکاری ڈاکٹر مقرر کردیا۔ ریاست کے مختلف اضلاع میں خدمات انجام دیتے رہے۔ آخری زمانہ میں دواخانہ (ہسپتال) مٹھواڑہ ضلع ورنگل میں بحیثیت سول سرجن کے کام کرتے رہے۔ ۱۸۱۰ء/ ۱۲۴۵ھ میں بعارضہ ذیابیطس ان کا انتقال ہوگیا (۱۸)۔

مولوی غلام رسول:

یہ قاضی عبداللہ خاں کے لڑکے تھے۔ علوم متداولہ کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی تھی۔ علم کی مزید تکمیل ماہر استاد مولوی ارتضٰی علی خاں خوشنود سے حاصل کی۔ تعلیم کے بعد وہ ایک مدت تک انگریزی عدالت میں مفتی کے عہدہ پر فائز رہے (۱۹)۔

مولوی عبدالباسط:

یہ محمد مہدی واصف مصنف حدیقۃ المرام کے فرزند تھے۔ یہ عربی فارسی اور انگریزی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے طبّ جدید کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ اطراف میسور میں ان کا قیام رہتا تھا۔ ساری عمر پیشہ طبابت سے منسلک رہے۔ ۱۸۸۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کے بنانے والوں میں ایک نام ملاّ عبدالقیوم کا آتا ہے، وہ انھی عبدالباسط کے فرزند تھے (۲۰)۔

مولوی سید شاہ عبداللطیف:

مولوی سید شاہ عبداللطیف (۱۲۰۷ھ-۱۲۸۹ھ) دینی علوم کی تحصیل کے بعد انگریزی، ریاضی، فلکیات اور ادب کی تعلیم انگریزی استادوں سے حاصل کی۔ مسیحی ادب کا مطالعہ کیا۔ مسیحوں

Marfat.com

کے مناظرہ میں مدراس سے تعلیم حاصل کر کے ویلور آئے اور یہاں بہترین واعظ اور خطیب کی حیثیت سے مشہور تھے (۲۱)۔

مولوی محی الدین عبداللطیف ثالث خطیب مدراسی دیلوری ۱۲۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۴۲ھ میں مقامی علماء سے تحصیل علم کیا۔ ۱۲۶۰ھ میں حج کے لیے چلے گئے۔ وہاں شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی موجود تھے۔ ان سے سند حدیث حاصل کی۔ انگریزی زبان میں مہارت حاصل تھی۔ انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ کو ایک خط لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی تھی (۲۲)۔

۳۔ مغربی علوم کے تراجم

سلطان ابوالفتح ٹیپو:

مغربی علوم وفنون سے اہل وطن کو آگاہ کرنے کے لیے سلطان ٹیپو نے ترجمہ کرنے کا ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ مغربی علوم کا ترجمہ کرنے والا یہ پہلا ادارہ تھا جو ہندوستان کی سرزمین میں قائم ہوا۔ جس کو ایک روشن دماغ مسلمان حکمران نے قائم کیا تھا۔ یہاں بعض ترجمے عربی زبان میں کیے گئے تھے، اس لیے کہ اس زمانے میں ساری دنیا میں مسلمانوں کی علمی زبان عربی تھی۔ بعض ترجمے فارسی زبان میں کیے گئے تھے، اس لیے کہ ہندوستان کی عمومی زبان فارسی تھی جس کو ہر پڑھا لکھا شخص جانتا تھا۔ ترجمہ کرنے والوں میں صرف ایک کا نام معلوم ہو سکا ہے، وہ تھا ''مرزا محمد نصیر افشار ترک'' (۲۱) خوش قسمتی سے ان ترجمہ شدہ کتابوں کے نام معلوم ہو گئے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی طب کی معلومات حاصل کرنے کا شوق زیادہ تھا۔ اسی لیے مغربی طب کے رسالے زیادہ ترجمہ کیے گئے۔

۱۔ کتاب دربیان امراض پیچش

از ولیم کاک برن

۲۔ قانون در علمِ طب:

قرابادین از کومین سین۔ یہ قرابادین لندن کے شفاخانوں میں مستعمل تھی۔ اس میں

Marfat.com

ادویہ کے خواص، نباتی اور معدنی ادویہ کی تاری کی ترکیب، جوہر نکالنے کا بیان، آلات دواسازی وغیرہ کا بیان ہے۔

۳۔ مفردات درعلمِ طب:

اس کتاب کے اندر ادویات سے متعلق معلومات انگریزی اور فرانسیسی کتابوں سے اخذ کر کے جمع کر دی گئی ہیں۔ اس میں نباتاتی، حیواناتی اور معدنیاتی ادویات کا تفصیل سے ذکر ہے۔ ادویہ کی تصاویر بھی بنائی گئی ہیں۔ فرانسیسی اور انگریزی الفاظ کے مترادفات مقامی زبان میں درج کیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ بڑی جامع کتاب ہے۔ سلطان کے حکم سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ رسالہ جراحی از ڈاکٹر پولاک:

اس کتاب کو مرزا محمد نصیر افشار ترک نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں موجود ہے۔

۵۔ بحر المنافع از مولود محمد، در سنہ ۱۷۹۴ء

یہ رسالہ فن ولادت، حفظانِ صحت اطفال اور دفع جن میں ہے۔ سلطان کے نام معنون ہے۔

۶۔ تحفۂ محمدی از مرزا محمد نصیر افشار ترک در سنہ ۱۷۹۹ء

اس میں ادویات کا حروف تہجی کی ترتیب سے حال درج ہے۔ یہ بھی سلطان کے نام معنون ہے۔

۷۔ رسالہ برق وطبعی تجربات:

یہ کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے (۲۳)۔

نواب فخر الدین خاں:

نواب فخر الدین شمس الامراء تیغ جنگ بہادر جاگیردار پائیگاہ کے بیٹے تھے۔ ۱۱۹۵ھ/

Marfat.com

۱۷۸۰ء میں دولت وامارت اور حکومت کی آغوش میں آنکھ کھولی۔نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی صاحبزادی سے شادی کی۔دولت وامارت میں ساری زندگی بسر کی۔نواب فخر الدین نے ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۳ء میں وفات پائی (۲۴)۔نواب فخر الدین کو مغربی علوم وفنون خصوصاً حکمت، ہندسہ اور ریاضی سے بہت دلچسپی تھی۔غالباً سلطان ٹیپو کی کوششوں سے متاثر ہو کر نواب نے مغربی علوم و فنون کے ترجمے کے لیے ایک باقاعدہ ادارہ تشکیل دیا۔اردو میں ترجمہ کی یہ پہلی منظم کوشش تھی۔ ترجمہ شدہ کتابوں کی اشاعت کے لیے نواب صاحب نے ایک مطبع بھی لگایا تھا۔جہاں یہ کتابیں شائع ہوتی تھیں۔ترجمے کے کام میں اور اشاعت کے کام میں نواب نے بہت زیادہ دلچسپی لی اور بے دریغ روپیہ صرف کیا۔

اتنی ساری کتابوں کے متعلق نہیں معلوم کہ ان کے مترجم کون لوگ تھے۔نواب فخر الدین کا ذوق اور شوقِ جستجو اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ علمی ذوق کی تمام مطبوعات، کتب اور رسالے جو ہندوستان میں طبع ہوتے تھے، ان کو وہ منگاتے تھے بلکہ بعض علمی رسالے لندن سے بھی منگواتے تھے (۲۵)۔

ا۔شمس الہندسہ:

یہ نواب صاحب کی اہم کتاب ہے۔یہ کتاب علم ہندسہ (Geometry) میں ہے۔اس کا مصنف موسیٰ کلارک فرنساوی تھا۔اس کا ترجمہ خود نواسب صاحب نے کیا ہے یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''می گوید مولف ایں رسالہ محمد فخر الدین شمس الامراء...... کہ کتاب اقلیدس اگر چہ حاوی جمیع اصول ہندسیہ است۔ از دقت براہین وتطویل دلائلش مبتدی را بہرۂ وافی بدست نیاید نسخہ خوب از تالیفات موسیٰ کلارک در زبان فرانسیسی ...... بود...... دیدم کہ درآں کتاب اعمال و اصول و اشکال ......قریب الفہم کہ ازاں

Marfat.com

کارہائے اعمال بہ آسانی برآیند، مرقوم اند...... لہٰذا آں کتاب را از زبان فرانسیسی بہ زبان فارسی مرقوم نمودہ شد۔ نادر روزگار موجب یادگار باشد۔"

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ترجمہ خود نواب صاحب نے کیا ہے اور یہ کہ نواب صاحب انگریزی کے علاوہ فرانسیسی زبان بھی جانتے تھے (۲۶)۔ یہ کتاب ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں طبع ہوئی تھی۔

ترجمہ شمس الہندسہ:

"نواب فخر الدین کی یہ کتاب بڑی مقبول ہوئی۔ اس کا فارسی سے اردو ترجمہ حافظ میر شمس الدین محمد فیض نے ۱۲۵۵ء/ ۱۸۴۹ء میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ سید احمد الدین فرید الدین کے ہاتھ کا لکھا ہے (۱۲۵۷ھ) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔" (اردو میں سائنسی ادب)

۲۔ خطوط الحبیب والمماس والمخرج:

یہ کتاب بھی علم ہندسہ ہے۔ اس میں مماس (Tangent) سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ اس پر حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی فارسی میں ہے۔ (۲۷)

۳۔ ستہ شمسیہ:

علم طبیعات سے متعلق یہ چھے رسالے ہیں۔ یہ رسالے ریورنٹ چارلز نے درسی مقاصد کے لیے ۱۸۱۸ء میں لکھے اور لندن سے شائع ہوئے تھے۔ نواب صاحب نے میر امان علی دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جونز اور موسیٰ تندوی ملازمین سرکار کو حکم دیا اور انھوں نے ان رسالوں کو انگریزی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ ان کا نام ستہ شمسیہ رکھا گیا۔ سنہ طباعت، تالیف نواب شمس الامراء (۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء)۔

Marfat.com

۱۔ علم جرثقیل، میکانک: بنگی چھاپے خانہ میں ۱۲۵۶ھ میں طبع ہوئی۔

۲۔ علم ہیئت، علم نجوم: بنگی چھاپے خانہ میں ۱۲۵۶ھ میں طبع ہوئی۔

۳۔ علم برق، مقناطیس: بنگی چھاپے خانہ میں ۱۲۵۶ھ میں طبع ہوئی۔

۴۔ علم مناظر: اس میں شعاع، روشنی، قوس قزح وغیرہ کا بیان ہے۔ ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء میں طبع ہوئی۔

۵۔ علم ہوا۔

۶۔ علم آب Hydrostates:

ستہ شمسیہ بڑی ضخیم کتاب ہے، مگر بڑی مقبول کتاب ہے۔ حیدرآباد، مدراس اور دہلی میں یہ کئی بار طبع ہو چکی ہے (۲۸)۔

۴۔ اصول علم حساب، ہندی زبان میں:

''اہل فرنگ کے دستور پر نوسکھوں کے لیے'' اردو زبان میں ہے (۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۶ء) (۲۹)۔

۵۔ رسالہ کسورات اعشاریہ:

اس کا ترجمہ بھی نواب صاحب کی سرپرستی میں ہوا ہے۔ طباعت (۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء) (۳۰)۔

۶۔ رسالہ علم واعمال کرہ کا:

اس کو علم اسطرلاب کروی بھی کہتے ہیں۔ ۱۲۵۵ھ میں نواب شمس الامراء کے حکم سے مسٹر جوزہ اور بندہ رتن لعل ملازم سرکار نے انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ حکیم کیٹ کی کتاب کا ترجمہ ہے (۳۱)۔

۷۔ منتخب البصر:

تالیف ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء اور سنہ طباعت ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء، نواب شمس الامراء کے حکم

Marfat.com

سے رتن لال نے تیار کیا۔ اس عاصی نے رفیع البصر سے قواعد آسان منتخب کر کے اردو زبان میں بطریق سوال جواب تیار کیا (۳۲)۔

۸۔ کیمسٹری کا مختصر رسالہ:

سنہ کتابت ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۲ء یہ ریورنڈ جان ٹائم کے انگریزی رسالہ کا ترجمہ ہے۔ بحکم نواب شمس الامراء (۳۳)۔

۹۔ رسالہ کیمسٹری:

بطریق سوال و جواب۔ سنہ طباعت ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء (۳۴)۔

۱۰۔ رسالہ خلاصۃ الادویہ:

انگریزی کتاب کا مصنف ڈاکٹر ولیم میکنزی ہے ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء (۳۵)۔

۱۱۔ رسالہ نافع الامراض:

کتاب کا مصنف ڈاکٹر ولیم میکنزی ہے۔ ترجمہ ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء (۳۶)۔

۱۲۔ مفتاح الافلاک:

فرگوسن فرانسیسی کی کتاب کا اردو ترجمہ عبدالسلام لکھنوی نے کیا۔ اور کلکتہ سے ۱۸۳۳ء میں طبع ہوئی۔ پھر نواب شمس الامراء نے اپنے سنگی چھاپے خانے سے دوسری بار ۱۸۴۴ء میں طبع کرایا (۳۷)۔

۱۳۔ رسالہ چیچک:

اس کے مصنف ڈاکٹر میکلسن ہیں اور مترجم مری صاحب ہیں۔ نواب شمس الامراء کے مطبع سے ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں طبع ہوا (۳۸)۔

نواب رفیع الدین خاں:

عمدۃ الامراء نواب رفیع الدین خاں، شمس الامراء نواب فخر الدین خاں کے بڑے

Marfat.com

صاحبزادے تھے۔ یہ ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء کو پیدا ہوئے اور ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء کو فوت ہوئے۔ والد کا شوقِ علوم وفنون بیٹے کو بھی منتقل ہوا۔ ترجمہ اور طباعت کو جو ادارہ ان کے والد نے قائم کیا تھا، انھوں نے نہ صرف اس کو برقرار رکھا بلکہ اس کو مزید ترقی دی۔ ان کا ذاتی شوق بھی علومِ طبعی اور علومِ ریاضی سے متعلق تھا۔

۱۔ رفیع الحساب:

یہ کتاب حساب کی شاخ لوگارتھم سے متعلق ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے اور دو جلدوں میں ہے۔ واضح رہے کہ لاطینی لفظ Algorithm دراصل الخوارزمی کی شکل ہے۔ موسیٰ الخوارزمی (۸۴۹ء) عہد عباسیہ کا مشہور ریاضی داں تھا۔ یہ رسالہ ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء میں تیار ہوا۔ ۱۸۳۷ء میں طبع ہوا (۳۹)۔

۲۔ رفیع البصر فی علم المناظر:

یہ علم مناظر (Optics) کا رسالہ ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ نواب رفیع الدین خاں نے اس کو ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں تیار کیا (۴۰)۔

۳۔ رسالہ رفیع الصنعت:

یہ رسالہ اصطرلاب Astrolabe پر ہے۔ اس کتاب کو مولوی خان محمد گجراتی نے مرتب کیا تھا۔ مگر اس کی زبان مشکل تھی۔ نواب نے اپنے ملازم رتن لعل سے اس کا اردو ترجمہ کرایا۔ پھر آسان فارسی میں نواب نے اس کو خود لکھا۔ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں یہ نسخہ تیار ہوا (۴۱)۔

۴۔ تکملہ رفیع الحساب:

۱۲۰۲ھ/۱۸۳۸ء میں طبع ہوا (۴۲)۔

۵۔ رفیع الترکیب:

۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں شائع ہوا (۴۳)۔

Marfat.com

۶۔ رسالہ علم ہندسہ:

۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء میں شائع ہوا (۴۴)۔

۷۔ تختہ گرداں:

۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں شائع ہوا۔

نواب محمد رشید الدین خاں:

امیر کبیر شمس الامراء نواب محمد فخر الدین خاں بہادر کے دوسرے صاحب زادے تھے، والد کا علمی ذوق ان کو بھی ورثہ میں ملا تھا۔ انھوں نے بھی مغربی علوم کے ترجمہ میں کوشش کی ہے۔ ان کی ایک کتاب کا حال معلوم ہوا ہے (۴۵)۔

تذکرہ رشیدیہ:

یہ کتاب فن ریاضی سے متعلق ہے۔ اس کے مصنف شاہ علی متوطن ادھونی ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۶۸ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ یہ کتاب نواب محمد رشید الدین خاں کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ اس میں مبتدیوں کو علم ہندسیہ آسان طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں اشکال بنائی گئی ہیں (۴۶)۔

نواب محمد بدر الدین خاں:

امیر کبیر شمس الامراء نواب محمد فخر الدین خاں کے یہ تیسرے صاحب زادے تھے۔ انھیں بھی علمی ذوق ملا تھا۔ مگر ان کا رجحان طبع شاعری کی جانب زیادہ تھا۔

انوار بدریہ

انوار بدریہ اقلیدس سے متعلق کتاب ہے جو شاہ محمد ادھونی نے لکھی اور نواب بدر الدین کی ہدایت پر لکھی گئی ہے۔ ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۴ء میں نواب بدر الدین کا جوانی میں انتقال ہو گیا (۴۷)۔

Marfat.com

باب:۴

شمالی ہندوستان، جنگ پلاسی تا سقوطِ دہلی

۱۷۵۷ء-۱۸۰۳ء

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۵۷ء میں بنگال کے نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ۱۷۶۵ء میں شہنشاہ ہندوستان شاہ عالم، بادشاہ دہلی سے صوبہ جات بنگال، بہار اور اڑیسہ کے دیوانی امور کے اختیارات بھی حاصل کر لیے۔ پھر مزید ریشہ دوانیوں کے بعد ۱۸۰۳ء میں مغلوں کی راج دھانی دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح سارے ہندوستان پر انگریز کمپنی کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس وقت سے ملکی معاملات میں انگریزوں کا اثر و رسوخ بہت زیادہ بڑھ گیا۔

اس دور میں نوابین ہوں یا عام مسلمان سب کو انگریزوں کے ملک ان کی معاشرت اور ان کے تمدنی حالات کے دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ کتنے ہی افراد نے اس جذبہ کے تحت دیارِ مغرب کا سفر اختیار کیا اور بچشمِ خود وہاں کا نظارہ کیا۔ ان مسافرین میں سے بعض نے واپس آ کر سفرنامے لکھے۔ جس میں مغرب کے حالات اور اپنے مشاہدات بیان کیے۔ اپنے دور میں یہ سفرنامے بہت مقبول ہوئے۔ اہل مغرب سے متعلق معلومات کو عام کرنے میں ان سفرناموں کو بڑا دخل حاصل ہے۔

Marfat.com

ا۔ دیارِ مغرب کے سیاح

دیارِ مغرب کے سفر، لوگوں نے مختلف مقاصد کے تحت اختیار کیے۔ ایک خاصی تعداد ان لوگوں کی تھی جو سیر و تفریح کے شوقین تھے، نیا ملک اور نئے معاشرہ کو دیکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے لطف و تفریح کی غرض سے سفر کیا تھا۔ بعض کے یہاں معلومات حاصل کرنے کا جذبہ بھی پیش نظر تھا۔

مرزا اعتصام الدین:

دیارِ مغرب کے پہلے مسافر مرزا اعتصام الدین تھے۔ حالاتِ سفر پر انھوں نے ایک کتاب ''شگرف نامۂ ولایت'' ترتیب دی ہے۔ مرزا اعتصام الدین نے اس سفر نامہ میں بہت مفید معلومات جمع کی ہیں۔ مرزا اعتصام الدین پاچن پور بنگال کے رہنے والے تھے۔ کچھ عرصہ نواب بنگال کے یہاں منشی رہے۔ بعد میں میجر بارک سے وابستہ ہو گئے۔ لندن کا سفر بھی میجر بارک کی ہمراہی میں کیا۔ واپسی پر قطب پور بنگال میں تحصیل دار مقرر ہو گئے تھے۔ بعد میں مختلف انگریز افسران کے ساتھ رہے۔

اس زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور شہنشاہِ ہندوستان شاہ عالم کے درمیان صلح نامہ طے ہوا تھا۔ جس کو معاہدۂ الٰہ آباد کہتے ہیں (۱۲ اگست ۱۷٦۵ء) اس معاہدہ سے شہنشاہ ہند کی بے بسی پوری طرح ظاہر ہو گئی۔ اس معاہدہ کی رو سے صوبہ جات بنگال، بہار، اڑیسہ کے دیوانی اختیارات انگریز کمپنی نے حاصل کر لیے۔ فوجداری اور دیگر اختیاراتِ حکمرانی بنگال کے نواب نجم الدین بن میر جعفر کے حوالہ کیے گئے۔ بادشاہ بے چارہ ان دونوں کا دست نگر بن گیا۔ اس معاہدہ کے بعد بادشاہ نے لارڈ کلایو سے کہا: ''ہمیں کن دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ دیا ہے۔'' بادشاہ نے تفحص حالات کے لیے، جس میں کلایو کا مشورہ بھی شامل تھا، ایک وفد انگلستان کے بادشاہ کے پاس بھیجنا

Marfat.com

منظور کیا۔ اس خدمت کے لیے کپتن ایس (یا کیپٹن) (۱) سوئٹن کو لندن بادشاہ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ اس کے ہمراہ مرزا اعتصام الدین کو بھی روانہ کیا گیا۔ زادِ راہ کے لیے شہنشاہ نے چار ہزار روپے عطا کیے۔ ماگھ کے مہینہ ۱۱۸۰ھ/۱۷۶۶ء میں بحری جہاز سے روانگی ہوئی۔ مرزا نے تین سال لندن میں قیام کیا۔ پیش نظر مقصود میں تو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ واپسی پر مرزا نے حالاتِ سفر پر ایک کتاب فارسی زبان میں ''شگرف نامہ ولایت'' لکھی۔ یہ سفرنامہ بڑا قیمتی ہے۔ سارے سفر کا ماحاصل ہے۔ اس میں متفرق نوعیت کی معلومات جمع ہوگئی ہیں۔ لوگوں نے اس کو بہت پسند کیا۔

اس کا ترجمہ اردو میں محب اللہ سندیلوی نے کیا تھا۔ جو شائع ہوا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن معین المعارف کراچی سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا ہے (۱)۔ اس کا انگریزی ترجمہ جیمز ایڈورڈ الیگزینڈر نے کیا۔ جو قلعہ سینٹ جارج کے گورنر کا ذاتی محافظ تھا۔ اس کو Allam and Company نے ۱۸۲۷ء میں شائع کیا۔

ذیل میں اس کے ابواب کی سرخیاں بیان کی جاتی ہیں:

پہلا باب:

احوال مصنف، سبب سفر ولایت، جہاز فرانسیسی کے مسافر، کیفیت قبلہ نما، بادبان۔

دوسرا باب:

مورس۔ (غالباً مارے شس) پہنچنے کی کیفیت، وہاں کے حالات۔

تیسرا باب:

کیفیت ''راس امید'' اور ''آس پینش'' جزیرے کی۔

چوتھا باب:

کیفیت ''نانز'' شہر پہنچنے کی جو ملک فرانس میں ہے اور وہاں سے لندن، انگلستان جانے کی۔

پانچواں باب:

سینٹ جیمز پارک، شہر کے راستے، دکانیں۔

Marfat.com

چھٹا باب:

ناچ گھر، سرکس، شعبدہ بازی، وہاں کی بلند قامتی۔

ساتواں باب:

''ارس'' شہر جانے کا، وہاں کا مدرسہ، سفر سکاٹلن (اسکاٹ لینڈ) ایدنبرہ (ایڈن برہ) پہنچنے کا۔

آٹھواں باب:

کیفیت کپتن S کے باپ دادا کی۔

نواں باب:

کیفیت کوہستان کی۔

دسواں باب:

کیفیت جدا جدا فرنگستان کے ممالک کی، اور دین عیسوی کی۔

گیارھواں باب:

کیفیت قوم انگریز کی، انکار جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیغمبری اور قرآن شریف کا۔

بارھواں باب:

کیفیت بحث کرنے اور تھوڑے صاحبان کے دین و مذہب کے مقدمہ پر۔

تیرہواں باب:

کیفیت انگلستان کے بادشاہ کی فوج، کی جہاز اور عدالت کی۔

چودھواں باب:

کیفیت بچوں کی تربیت کرنے کی، اہل خانہ انگریز کے اوقات گزارنے کی، ایسٹ انڈیا کمپنی کی۔

Marfat.com

پندرھواں باب:

کیفیت انگلستان میں کھانے پینے کی اشیاء اور پھول کی، کارواں سرائے کی، سفر کی، کاشت کاری کی، گھوڑوں کی اقسام، جانوروں کی اقسام، کتوں کی اقسام۔

سولھواں باب:

کیفیت میرے اور کلن s کے درمیان تکرار ہونے کی بہ سبب ہند کو واپس آنے کے لیے، خاتمہ کتاب۔

اس مصنف کا ایک سفر نامہ اور بھی ہے جس میں ترکی اور ایران کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

منشی محمد اسماعیل:

منشی محمد اسماعیل کالنا بردوان بنگال کے رہنے والے تھے، علمی خاندان سے تعلق تھا۔ ذاتی حالات کچھ زیادہ معلوم نہیں ہیں۔ کمپنی کا ایک ملازم کلاڈ رسل (Claude Russel) انگلستان واپس جا رہا تھا۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی منشی کو سفر میں ساتھ رکھنا چاہیے تاکہ سفر کے چھے ماہ میں وہ فارسی زبان سکھائے۔ اس غرض کے لیے اس نے منشی محمد اسماعیل کو ہم سفر بنایا۔ پیشگی سو روپے ان کو ادا کیے۔ دسمبر ۱۷۷۱ء کو ان کا بحری جہاز روانہ ہوا۔ مارچ ۱۷۷۲ء کو یہ جزیرہ سینٹ ہیلنا میں تھے۔ جون ۱۷۷۲ء کو یہ انگلستان پہنچے۔ منشی کا قیام وولیچ (Woolwich) میں رہا، پھر باتھ (Bath) گئے، خوب سیر کی۔ سردی جب آئی تو گھبرا گئے اور واپس روانہ ہوئے، مارچ ۱۷۷۳ء کو روانہ ہوئے اور نومبر ۱۷۷۳ء کو کلکتہ آ گئے۔

یہاں آ کر انھوں نے فارسی زبان میں سفر نامہ لکھا، جو مخطوطہ ہے اور غیر معروف ہے۔ یہ ایک اوسط درجہ کا سفر نامہ ہے (۲)۔

میر محمد حسین فرنگی:

میر محمد حسین نے ۱۷۷۴ء میں انگلستان کا سفر اختیار کیا، اور وہاں انھوں نے ۳ تین

Marfat.com

سال تک قیام کیا۔ وہ ۱۷۷۷ء میں واپس لوٹے۔ ان کے پیش نظر سفر کا مقصد سیر و تفریح اور مغربی معاشرہ کے متعلق معلومات فراہم کرنا تھا۔ وہ ابتدائی دور کے سیاح تھے، شاید اس وجہ سے ان کے نام کے ساتھ لندنی چسپاں ہوگیا۔ بعض لوگ فرنگی بھی لکھتے ہیں۔

لندن میں انھوں نے اہل علم کی مجلس ''پال مال کلب'' میں شرکت کی۔ وہاں لارڈ پروڈہم کے عالمانہ لیکچر سنے اور خود بھی وہاں لیکچر دیے۔

وطن لوٹ کر حالات سفر اور مشاہدات انگلستان پر مشتمل ایک کتاب انھوں نے لکھی۔ جس کا نام ہے ''مشاہداتِ فرنگ''۔ یہ کتاب انھوں نے عربی زبان میں لکھی ہے اور تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ ہمارے دوست حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے اس کا مخطوطہ فراہم کرلیا ہے۔ وہ اس کو شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سفرنامہ میں مصنف نے انگلستان کی علمی ترقیوں کا ذکر کیا ہے، جو اہل علم نے مختلف علوم وفنون میں کی ہیں، خصوصاً علوم طبعی میں اور فلسفہ میں۔ مصنف کا انداز عالمانہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی دقیع ہے (۳)۔

قاضی نجم الدین کاکوروی علوی:

قاضی نجم الدین کاکوری کے مشہور علوم خاندان کے فرد تھے۔ علوم متداولہ کی تحصیل گھر پر کی۔ ان کو بھی دیارِ فرنگ کے مشاہدہ کا شوق ہوا۔ ۱۷۹۵ء میں انھوں نے انگلستان کا سفر اختیار کیا اور چند سال لندن میں گزارے۔ وہاں کے معاشرتی اور تمدنی حالات کا مطالعہ کیا۔ ہندوستان واپس آئے اور اپنے مشاہدات پر مشتمل کتاب لکھی۔ مغربی علوم کی بعض کتابوں کا انھوں نے ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس حیثیت سے ان کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔ آگے چل کر یہ کلکتہ کے پہلے قاضی القضاۃ بھی مقرر ہوئے (۴)۔

مرزا محمد فطرت:

مرزا محمد فطرت لکھنو کی علم دوست شخصیت تھے۔ علومِ انگریزی اور مذہب مسیحیت سے انھیں خاص طور پر دلچسپی تھی۔ یہ دلچسپی ان کو انگلستان کے سفر پر لے گئی۔ سرجان مرے کے ساتھ وہ انگلستان کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ وہاں انھوں نے چار سال تک اون برگ میں قیام کیا۔ ۱۷۹۷ء

Marfat.com

میں وہ روانہ ہوئے تھے اور ۱۸۰۳ء میں واپس ہندوستان آئے۔علوم کے مترجم کی حیثیت سے وہ زیادہ متعارف ہیں۔اس حیثیت سے ان کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا(۵)۔

مرزاابوطالب اصفہانی:

مرزاابوطالب اصفہانی کے بزرگ اصفہان سے آکر لکھنؤ میں آباد ہو گئے تھے۔ان کی پیدائش، تعلیم وتربیت سب لکھنؤ میں ہوئی۔ان کو بھی انگلستان کے سفر کا شوق ہوا۔۱۷۹۹ء میں یہ سفر پر روانہ ہو گئے۔جو ممالک راستے میں آتے گئے ان کی سیر کرتے گئے۔لندن پہنچ کر انھوں نے وہاں کی علمی ادبی سوسائٹی میں شرکت کی۔لندن میں وہ ایرانی شاہزادے کے نام سے مشہور تھے۔ تین سال انھوں نے لندن میں قیام کیا (۱۲۱۴-۱۲۱۸ھ/۱۷۹۹-۱۸۰۳ء) واپسی میں بھی وہ مختلف ملکوں کی سیر کرتے ہوئے آئے۔فرانس، سوئزرلینڈ، مالٹا، استنبول، عراق ہوتے ہوئے وہ بمبئی پہنچے۔واپسی پر انھوں نے کلکتہ میں قیام کیا۔انھوں نے اپنے سفر کے حالات فارسی زبان میں مرتب کیے۔کتاب کا نام رکھا مسیر طالبی فی بلاد افرنجی۔

مرزاابوطالب بڑے فہیم اور زیرک آدمی تھے۔ان کی قوتِ مشاہدہ بہت تیز تھی۔اس لیے ان کا سفرنامہ بہت معلومات افزا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ سفرنامہ خود اہل مغرب میں بھی مقبول رہا ہے۔مغرب کی اہم زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔اس سفرنامہ کو مرزا کے بیٹے حسین علی نے کلکتہ سے ۱۸۱۲ء میں شائع کیا۔ پہلے ۱۸۱۳ء میں اس کا ترجمہ جرمن زبان میں ہوا۔پھر ۱۸۱۴ء میں انگریزی زبان میں ہوا، پھر ۱۸۱۹ء میں اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوا، اس کا انگریزی ترجمہ، ہیلی بری کالج کے استاد مشہور مستشرق چارلز اسٹوارٹ نے کیا تھا، اس کا اردو ترجمہ سب سے آخر میں مرزا رضا علی محزوں مرادآبادی نے کیا تھا۔یہ ترجمہ برلاس پریس مرادآباد سے ۱۹۰۴ء میں طبع ہوا تھا(۶)۔

Marfat.com

۲۔ مغربی علوم کے تراجم

قاضی القضاۃ مولانا نجم الدین کاکوری:

انگریز کمپنی کی حکومت جب ہندوستان مین جم گئی تو پھر حکمرانوں کو حکومت کا عزو وقار بڑھانے کا خیال آیا۔ مسلمان حکومتوں کا نمونہ سامنے تھا اس کی پیروی کی کوشش کی۔ مسلمان حکومتوں کی روایات کے مطابق دارالسلطنت میں ایک عالی شان مسجد کا ہونا، ایک بڑے مدرسہ کا ہونا اور قاضی القضاۃ کا ہونا لوازمات میں سے ہے۔ ان امور کے بغیر نہ دارالسلطنت کا وقار قائم ہوتا ہے اور نہ حکومت کا۔ اس ضرورت کے پیش نظر پہلے گورنر جنرل لارڈ وارن ہیسٹنگز (۱۷۷۴ء-۱۷۸۵ء) نے کلکتہ میں ۱۷۸۱ء میں ''مدرسہ عالیہ'' قائم کیا۔ قاضی کی تلاش جاری رہی، دارالسلطنت کے شایانِ شان مشہور و معروف عالم دین کو قاضی مقرر کرنا چاہیے، تاکہ حکومت کے وقار میں اضافہ ہو۔ مدرسہ عالیہ میں تدریس کے فرائض انجام دینے کے لیے انگریزی حکومت نے شاہ عبدالعزیز کوتا کا تھا۔ علامہ تفضّل حسین کاشمیری کو اس مقصد کے لیے شاہ صاحب کی خدمت میں دہلی بھیجا تھا، مگر شاہ صاحب نے صاف انکار کر دیا تھا (۷)۔

اس مرتبہ گورنر جنرل نے آصف الدولہ نواب اودھ لکھنؤ سے درخواست کی۔ انھوں نے مولانا نجم الدین کاکوروی کا انتخاب کیا اور ان کو کلکتہ روانہ کر دیا، اس زمانے میں سر جان شور (۱۷۹۳-۱۷۹۸) گورنر جنرل تھا۔ سرجان شور نے قاضی نجم الدین کا پرتپاک استقبال کیا۔ باہر آ کر پالکی سے ان کو اتارا، معانقہ کیا اور بڑے ادب احترام سے پیش آیا۔ عیدین کے موقعہ پر وہ قاضی صاحب کے مکان پر آ کر سلام پیش کرتا تھا (۸)۔

مولانا نجم الدین کاکوروی علماء کے مشہور خاندان کے فرد تھے۔ ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ پہلے گھر پر، پھر لکھنؤ فرنگی محل میں علومِ دینی کی تحصیل کی۔ حدیث کی سند حرمین میں جا کر شیخ ابوالحسن سندھی سے حاصل کی۔ جدید مغربی علوم کی تحصیل علامہ تفضّل حسین کاشمیری سے کی۔ ان کے علاوہ رمل، جفر اور ریاضی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ وقت کے سربرآوردہ علماء اور

Marfat.com

فضلاء سے ان کے تعلقات تھے۔ شیخ احمد یمنی مصنف نفحۃ الیمن نے ان کے علم و فضل اور عربی دانی کی تعریف کی (۹)۔ قاضی مقرر ہو جانے کے باوجود طلبہ کو درس دینے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ قاضی نجم الدین انگریزی زبان بخوبی جانتے تھے۔ وہ انگلستان کا سفر بھی کر چکے تھے۔ وہ صاحبِ تصنیف تھے۔ چند کتابیں ان کی یادگار ہیں۔

۱۔ کمپنی کی حکومت کے آغاز میں ہر قسم کے فیصلے قاضی کیا کرتے تھے، اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کی پیروی کرتے تھے۔ گورنر جنرل کے اشارے پر انھوں نے ہدایہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔

۲۔ فقہ حنفی کی دوسری کتاب فتاویٰ عالمگیری کی بھی پیروی کی جاتی تھی۔ اس کے باب ''الجنایات والجرائم'' کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا۔

دونوں کتابوں کی شرح بھی لکھی۔ یہ دونوں کلکتے کے مطبع سے طبع ہوئی تھیں ان کے علاوہ بھی چند رسالے ان کے یادگار ہیں۔

۳۔ رسالہ در تحقیق سنہ: اس زمانہ میں انگریزی سنہ نیا نیا ہندوستان میں رائج ہو رہا تھا۔ قاضی صاحب نے تقویم کے موضوع پر یہ رسالہ ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) میں لکھا۔ طبع ہو گیا تھا، اس کتاب کا نام ایک جگہ میزان التواریخ لکھا دیکھا ہے۔

۴۔ رسالہ فی الجبر والمقابلہ: یہ رسالہ ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۱ء) میں لکھا گیا تھا اور خلاصۃ الحساب عاملی کے ساتھ شائع ہوا تھا (۱۰)۔

قاضی صاحب کلکتہ سے گھر جا رہے تھے کہ درمیانِ سفر، بنارس کے مقام پر انتقال ہو گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ گورنر جنرل نے ان کی اہلیہ کو تعزیت کا خط لکھا اور ۱۵۰ روپیہ ماہانہ تاحیات ان کی پنشن مقرر کر دی (۱۱)۔

محمد ارشد بردوانی:

محمد ارشد بردوان، بنگال میں پیدا ہوئے۔ ضیاء الدین محمد ان کے والد تھے۔ مدرسہ

Marfat.com

عالیہ کلکتہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر سپریم کورٹ کلکتہ میں مولوی مقرر ہوئے پھر مفتی بنا دیے گئے۔ محمد ارشد فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

کمپنی کے ابتدائی ایام میں تمام معاملات کے فیصلے حنفی فقہ کے مطابق ہوتے تھے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کی پیروی کی جاتی تھی۔ پہلے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کے زمانہ میں قاضی غلام یحیٰی بہاری نے مولوی تاج الدین بنگالی اور سید محمد یٰسین ایرانی کے تعاون سے ہدایہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں کیا تھا۔ اس فارسی ترجمہ کو سامنے رکھ کر کیپٹن ہملٹن نے ہدایہ کا انگریزی ترجمہ تین جلدوں میں کیا۔ مگر دونوں ترجموں میں اغلاط موجود تھے، اس لیے چیف جسٹس کلکتہ جان ہربرٹ ہارنگٹن کے حکم سے مفتی محمد ارشد بردوانی نے ۱۲۲۱ھ-۱۸۰۵ء میں ترجموں کی تصحیح کی اور تنقیح کی تھی (۱۲)۔

میر محمد حسین لندنی:

میر محمد حسین لندنی کا ذکر سیاحوں کے ذیل میں آ چکا ہے (۱۷۷۷ء)۔ وہ اپنے دور کے مشہور اہل علم تھے، اور مغربی زبان کے مترجم تھے۔ ان کی ترجمہ کردہ ایک کتاب کا پتہ چلا ہے۔ ''رسالہ در علم فزک'' معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ فزکس آج کل تو علم طبیعات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر قدیم زمانہ میں فزک سے علم طب مراد ہوتا تھا، اور فزیشین طبیب کو کہتے تھے۔ ان کی دوسری ترجمہ کردہ کتاب مقاصد العلوم ہے۔ یہ لارڈ پروڈہم کے ایک لیکچر کا ترجمہ ہے (۱۳)۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کا نام مرزا محمد حسین لکھا ہے۔ غالباً سہو ہوا ہے۔ میرزا علی ابراہیم خاں لطف نے تذکرہ گلشن ہند میں ان کا نام اس طرح لکھا ہے۔ ''میر محمد حسین فرنگی لقب'' مصنف کلکتہ کے رہنے والے تھے اور میر محمد حسین کے ہم عصر تھے (۱۴)۔

عبدالقادر جونپوری:

مغربی علوم کے فاضل اور مترجم کی حیثیت سے ایک اہم شخصیت مولوی عبدالقادر کی

Marfat.com

ہے۔عبدالقادر بن خیر الدین عماد پوری کی ولادت جون پور میں ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۸ء) میں ہوئی تھی۔ انھوں نے جون پور، پھلواری شریف اور ٹانڈہ کے علماء کی خدمت میں رہ کر علومِ دینی اور فنونِ دنیاوی کی تکمیل کی۔ پھر وہ کلکتہ چلے گئے۔ وہاں انھوں نے انگریزی زبان کی تحصیل کی اور کمپنی کی حکومت کے ایک دفتر میں منشی مقرر ہو گئے۔ اس زمانہ میں انھوں نے مغربی علوم پر کافی دسترس بہم پہنچائی۔ آخر عمر میں وہ کلکتہ سے واپس اپنے وطن سوکھ پور ضلع اعظم گڑھ آ گئے۔ ۱۲۰۲ھ ۱۷۸۷ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

مولوی عبدالقادر اپنے زمانہ کے مشہور و معروف عالم دین تھے۔ وقت کے اکابر علماء سے ان کے مراسم تھے۔ میر محمد حسین لندنی نے اپنا سفر نامہ مشاہداتِ فرنگ انھی کی فرمائش پر لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ احمد یمنی صاحب نفحۃ الیمن سے ان کی مراسلت رہتی تھی۔ شاہ ولی اللہ کو ایک عربی منظوم خط لکھا تھا۔

مغربی علوم سے متعلق ان کی مندرجہ ذیل کتابوں کا پتہ چلا ہے:

۱۔ الکیمیا الحدیثۃ: جدید علم کیمیا یعنی کیمسٹری پر کتاب ہے۔

۲۔ کتاب العالم والمتعلم۔

۳۔ الدرر الفوائد فی غرر القصائد۔

۴۔ ارجوزہ فی اللغۃ الھندیہ۔

۵۔ منظومۃ فی العروض۔

مگر ان کی سب سے اہم کتابیں دو ہیں:

۶۔ المحاکمۃ بین العلوم المشرقیۃ والمغربیہ۔

یعنی مشرقی علوم اور مغربی علوم کے درمیان موازنہ محاکمہ (Comparison)۔

۷۔ کتاب فی التعقب علی الباکون المغربی۔

Marfat.com

بیکن مغربی (۱۵۶۱-۱۶۲۶ء)، (Francis Bacon) پر تنقید و گرفت ہے۔ ان کتابوں کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبدالقادر نے مغربی علوم کا مطالعہ عمیق کیا تھا اور ناقدانہ انداز میں کیا تھا۔ پہلی کتاب کا موضوع اسلامی علوم اور یورپی علوم کا موازنہ ہے۔ ناقدانہ انداز میں ان کی قدر و قیمت متعین کرنا ہے۔ دوسری کتاب میں انگریز فلسفی بیکن کے افکار پر تنقید ہے۔ عبدالقادر مغربی افکار و فلسفہ کے پہلے ناقد تھے وہ اندھے مقلد نہیں تھے۔ بلکہ بیدار نقاد تھے۔ افسوس!! ان کی کتابیں آج ناپید ہیں (۱۵)۔

علامہ تفضّل حسین خاں کاشمیری:

علامہ تفضّل حسین خاں اس دور کی ایک عبقری شخصیت ہیں۔ علم و فضل کی دنیا میں بلند مرتبہ کے حامل ہیں۔ وطن اصلی سیالکوٹ کا مردم خیز شہر تھا۔ ۱۳ سال کی عمر میں وہ دہلی آ گئے تھے۔ یہاں کے علماء سے دینی علوم کی تحصیل کی۔ معقولات اور علوم ریاضی کی تحصیل مشہور مہندس مرزا خیر اللہ خاں دہلوی صاحب زیچ محمد شاہی (۱۱۶۱ھ-۱۷۴۸ء) سے کی۔ پھر وہ لکھنؤ آ گئے۔ یہاں ملا محمد حسن فرنگی محل سے اپنے علوم کی تکمیل کی اور محمد علی مہندسی سے علوم ریاضی کی تکمیل کی۔ بنارس جا کر شیخ علی حزیں اصفہانی سے بعض علوم میں استفادہ کیا۔ تکمیل علوم کے بعد وہ سلطنت اودھ لکھنؤ سے منسلک ہو گئے۔

نواب آصف الدولہ نے (۱۷۷۵-۱۷۹۷ء) وکیل سلطنت بنا کر انھیں حکومت انگریزی کے یہاں کلکتہ بھیج دیا۔ کلکتہ میں انھیں مغربی فاضلین سے ملنے کے مواقع ہاتھ آئے۔ یہاں انھوں نے مغربی زبانوں کی اور مغربی علوم کی تحصیل کی۔ سر جان شور گورنر جنرل (۱۷۹۳-۱۷۹۸ء) ہندوستان اور روبن بروز سے انگریزی اور لاطینی زبانیں حاصل کیں۔ ان زبانوں کے ذریعہ مغرب کے علوم و افکار کا خوب مطالعہ کیا۔ پھر جنرل پامر کی صحبت اختیار کی اور بعض علوم کا استفادہ کیا۔ (۱۷۸۴) اودھ کی سلطنت نے ان کو واپس بلا لیا اور ان کو ریاست کا وزیر اعظم بنا دیا۔ (۱۷۹۵ء) پھر دوبارہ کلکتے چلے گئے (۱۷۹۸)۔ ایک مرتبہ وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ

Marfat.com

راستہ میں (١٥شوال ١٢١٥ھ-١٨٠١ءکو) ہزاری باغ بہار میں ان کا انتقال ہو گیا۔ علامہ تفضّل حسین کاشمیری کو مغربی علوم میں فلسفہ، ریاضی اور ہیئت سے زیادہ دلچسپی تھی۔ ان کے معاصر مورخ ملاشوستری تحفۂ عالم میں کہتے ہیں:

"تفضّل حسین خاں انگریزی، فارسی عربی، رومی، یونانی زبانیں اچھی طرح جانتے تھے۔ ان زبانوں میں خوب لکھتے اور پڑھتے تھے۔"

ان علوم کی کتابوں کے انھوں نے ترجمے کیے ہیں۔ ان کی ترجمہ شدہ بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:

١۔ حل جبری وہندسی: یعنی الجبرا اور جیومیٹری کے حل مشکلات
٢۔ مخروطات ایلوبنوس کا ترجمہ لاطینی سے عربی میں (مخروط=Cone)
٣۔ مخروطات "علوم متعارفہ" وڈل اسٹیل (فرانسیسی) کا عربی ترجمہ
٤۔ مخروطات اسمس (Smith) کا عربی ترجمہ
٥۔ اسمس کے جبر ومقابلہ کا عربی ترجمہ
٦۔ اسمس کے جرثقیل کا عربی ترجمہ (جرثقیل=میکانک)
٧۔ رسالہ برلوگارتھم
٨۔ رسالہ برخط منحنی (Curve)
٩۔ ابن الہیثم کی کتاب علم المناظر (Optics) پر حاشیہ

ابوعلی الحسن بن الہیثم (١٠٣٩-٩٦٥ھ) عہد فاطمی کا مشہور سائنس دان تھا۔ اس کی کتاب علم المناظر ایک زمانہ تک یورپ میں درس میں شامل رہی ہے۔ مغرب میں علوم وفنون کے موجد روجر بیکن (١٢١٤) نے بھی اس کتاب پر تشریح لکھی ہے۔ علامہ تفضّل حسین نے بھی اس کتاب پر حاشیہ لکھا ہے۔

١٠۔ سر آئزک نیوٹن کی کتاب *Principia Mathematica* (١٦٨٧ء) کا براہِ راست لاطینی

Marfat.com

سے عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ ان کی بہت اہم کتاب تھی۔

ان کتابوں سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ علامہ تفضّل حسین خاں کا مطالعہ علوم ریاضی اور سائنس کا کس قدر وسیع اور عمیق تھا۔ وہ مغربی افکار پر کس قدر قدرت رکھتے تھے۔ افسوس!! اس فاضل شخص کی تمام کتابیں ناپید ہو رہی ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں ایک استاد مولوی عثمان جعفری مچھلی شہری بیان کرتے ہیں کہ ان کے شہر میں ایک شخص کے پاس علامہ تفضّل حسین خاں کی کتابوں کے نسخے ہیں۔ مگر وہ کسی کو دکھاتے نہیں (۱۶)۔

مرزا محمد فطرت:

سیاح کی حیثیت سے ان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ کلکتہ میں گزارا۔ مرزا علم دوست شخصیت تھے۔ لندن کا سفر بھی انھوں نے علمی مقاصد کی خاطر کیا تھا۔ قیامِ لندن میں انھوں نے ہیڈ لے Hedlay کی تالیف Practical vulg dialect of Hindostan پر نظرثانی کی تھی۔ مؤلف کی حیثیت سے مرزا فطرت کا نام بھی کتاب پر درج ہے۔ کلکتہ کی رہائش میں ان کا رابطہ کالبروک (Colbrook) سے ہو گیا تھا۔ عہد نامہ جدید (انجیل) کا جو ترجمہ کالبروک نے کیا اس پر نظرثانی مرزا فطرت نے کی تھی۔ یہ اصلاح شدہ ترجمہ ۱۸۰۴ میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ انجیل کا دوسرا ترجمہ ہنری مارٹن کے نام سے شائع ہوا۔ یہ دوسرا ترجمہ بھی درحقیقت مرزا فطرت ہی کا کیا ہوا ہے، اگر چہ وہ شائع ہنری مارٹن کے نام سے ہوا ہے۔ بعد میں وہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں مدرس مقرر ہو گئے تھے (۱۷)۔

۳۔ انگریزی زبان کے مصنّفین

اب تک آپ نے یہ پڑھا کہ مسلمانوں نے مغربی زبانوں اور مغربی علوم کا مطالعہ کیا اور ان میں سے بعض نے مغربی علوم کی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا۔ یہاں اب ہم ایسے اصحاب کا تعارف کرانا چاہتے ہیں جنھوں نے اس اوّلین دور میں انگریزی زبان پر اتنی قدرت حاصل کر لی تھی کہ وہ انگریزی زبان میں اپنی نگارشات چھوڑ کر گئے ہیں۔ ان کی تصنیف کردہ کتابیں ان کی

Marfat.com

قدرتِ زبان پر شاہد ہیں۔

حکیم اطہر علی دہلوی:

حکیم اطہر علی خاں کے والد نادر شاہ افشار کے حملہ ہندوستان (۱۷۳۹ء) کے وقت بحیثیت طبیب دہلی آئے تھے۔ وہ پھر یہیں رہ پڑے۔ ایران واپس نہیں گئے۔ اطہر علی کی پیدائش اور تعلیم سب دہلی میں ہوئی، پھر وہ کلکتے منتقل ہو گئے۔ یہاں انھوں نے انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی اور خاندانی مناسبت کی وجہ سے طبِ جدید میں دلچسپی لی۔ وہ تحریر و تقریر پر قادر تھے۔ انگریزی میں ان کی ایک قابل قدر تحریر دستیاب ہوگئی ہے۔

انھوں نے مرض جذام (فیل پا) پر ایک پر مغز مقالہ ۱۷۸۳ء میں لکھا۔ یعنی آج سے دو صدی پیشتر Cure of Elephantiasis اس زمانہ میں لندن سے تاریخی نوعیت کا علمی رسالہ نکلتا تھا۔ اس کا نام تھا:

Dissertation on Miscellaneous pieces relating
to the Hisotry and Antiquitics, Science, Literature of Asia

حکیم صاحب کا یہ مقالہ اس رسالہ میں ۱۷۹۲ء میں شائع ہوا تھا۔ حسن اتفاق سے رسالہ کی یہ اشاعت ہمارے ملک کے نامور اہل علم ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید کو دستیاب ہوگئی۔ خواجہ صاحب نے اس کا تعارف صدقِ جدید لکھنؤ میں کرایا۔ (ج:۸، شمارہ ۱۲)

پھر انھوں نے اس مقالہ کو ڈاکٹری کے رسالے Pakistan Journal of Medical Research-Karachi(July-September 1962) میں شائع کرا دیا ہے۔ کسی مسلمان حکیم کا طب کے موضوع پر انگریزی زبان میں تحریر کردہ، دو صدی قبل یہ مقالہ، فی الواقع ایک نادر تحفہ ہے (۱۸)۔

نواب مہدی حسن خاں اودھی:

انیسویں صدی کے بالکل آغاز میں نواب مہدی حسن خاں اودھی لکھنوی نے انگلستان

Marfat.com

کا سفر اختیار کیا تھا۔ حالات سفر پر مشتمل اپنا سفرنامہ انھوں نے انگریزی زبان میں لکھا تھا۔ بعد میں اس کا اردو ترجمہ عزیز مرزا نے گلگشتِ فرنگ کے نام سے کیا ہے۔ یہ دوسرے فرد ہیں جن کی انگریزی کتاب موجود ہے (۱۹)۔

☆......☆......☆

Marfat.com

باب:۵

شمالی ہندوستان، سقوطِ دہلی تا خاتمہ سلطنت

۱۸۰۳ء-۱۸۵۷ء

مغرب کے سیاح اور انگریزی زبان کے فاضل

سیاست کاری اور سازش کاری میں ہندوستان کا کوئی امیر اور حکمران انگریزوں کا حریف اور مدمقابل نہیں تھا۔اس دور میں انھوں نے جوڑتوڑ سے سارے ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔ سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو کو تو وہ پہلے ہی ختم کر چکے تھے۔اس دور میں مرہٹوں اور سکھوں کو جنگوں میں شکست دی۔ دوسرے نوابوں اور مہاراجوں کو سیاست کاری سے زیر کرلیا۔سارے ملک پر قبضہ کرلیا۔فورٹ ولیم کلکتہ کا حکم ہندوستان کے آخری کناروں تک نافذالعمل تھا۔

اس دور میں انگریزی کالج قائم ہوئے۔کالج قائم ہونے سے انگریزی زبان سیکھنے کے مواقع ہندوستانیوں کو حاصل ہوئے۔اس طرح انھوں نے انگریزی علوم وافکار کا مطالعہ کیا۔ انگریزوں سے خلا ملا زیادہ ہوا۔اس لیے بعض حضرات کو انگلستان کے دیکھنے کا شوق ہوا۔وہ وہاں گئے۔بعض لوگ دادرسی اور انصاف کی طلب میں وہاں گئے۔

مسلمانوں میں مغربی علوم وافکار کے مطالعہ کا رجحان بڑھا۔پھر کچھ لوگوں نے ان علوم کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کی طرف بھی توجہ دی۔اس دور میں ترجمہ کی منظم کوششیں بھی ہوئیں۔ جدید طب کی طرف مسلمان طبیبوں کی دلچسپی بڑھی۔انھوں نے جدید طب کا مطالعہ کیا اور پھر اس کا

Marfat.com

ترجمہ کیا۔ اچھی چیز اخذ کرنے میں کوئی حجاب نہیں برتا۔

ا۔ دیارِ مغرب کے سیاح

برائے سیر و تفریح

میاں کمبل پوش:

میاں یوسف کمبل پوش ایک آزاد منش درویش تھے۔ حیدر آباد میں ان کی پیدائش ہوئی تھی اور وہیں تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ ان کو سیر و تفریح کا شوق تھا۔ یورپ کے دیکھنے کا ان کو شوق ہوا۔ ۱۸۳۷ء میں وہ انگلستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ایک سال وہاں قیام کیا۔ ۱۸۳۸ء میں وہ واپس آ گئے۔ یہاں آ کر انھوں نے مشاہداتِ سفر پر ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام انھوں نے تو ''تاریخ یوسفی'' رکھا۔ مگر وہ سفرنامہ کمبل پوش کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سفرنامہ اردو زبان میں ہے، ۱۸۴۷ء میں یہ دہلی سے شائع ہوا تھا۔ واپسی پر انھوں نے اودھ کی فوج میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ ۳۰ سال نوکری کرنے کے بعد وہ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۰ اگست ۱۸۶۱ء کو ہوا ہے (۱)۔

وہ مشہور شاعر اسد اللہ خاں غالب کے دوست تھے، جیسا کہ غالب کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے، انھوں نے ''سلیمانی'' مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے فری میسن کا مسلک قبول کر لیا تھا۔ مگر زمانہ حال کے مشہور ادیب سید محمد حسن عسکری نے اس کی دوسری توجیہ پیش کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ خدا پرستی (Deism) کا مسلک اس زمانہ میں نیا نیا رائج ہوا تھا۔ کمبل پوش نے وہ مسلک اختیار کر لیا تھا (۲)۔ یہی خدا پرستی کا مسلک ہندوستان میں ''میلہ حق شناس'' کے نام سے متعارف ہوا تھا۔ جس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے حصہ لیا تھا۔

مگر سب سے عجیب بات ان کے متعلق گارساں دتاسی نے بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میاں کمبل پوش دراصل اطالوی نژاد تھے۔ فلارنس شہر کے رہنے والے تھے اور مسیحی مذہب کے پیرو کار تھے (۳)۔

Marfat.com

نواب عبدالکریم خاں جھجر:

جھجر (مشرقی پنجاب) کے نواب عبدالکریم خاں کو بھی انگلستان کی سیر کا شوق دامنگیر ہوا۔ ۱۳۵۷ھ-۱۸۴۱ کو وہ سفر پر روانہ ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک مختلف شہروں کی سیر کرتے پھرے۔ واپس آکر انھوں نے حالاتِ سفر پر ایک کتاب ترتیب دی تھی۔ آغا افتخار حسین نے اس سفرنامہ کو روم (اٹلی) کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ (۴) گارساں دتاسی لکھتا ہے:

"سیاحت نامہ از کریم خاں جس کا ترجمہ میں آج کل کر رہا ہوں (۱۸۶۵)۔

Revue Del Orient میں شامل کر رہا ہوں" (۴)۔

میر جعفر علی خاں:

میر جعفر علی خاں میر فضل الدین خاں نواب سورت کے داماد تھے۔ ان کو بھی انگلستان کی سیر کا شوق ہوا۔ وہ ۱۲۶۰-۱۸۴۴ کو لندن کے سفر پر روانہ ہوئے۔ لطف اللہ سورتی کو بحیثیت انگریزی دان منشی کے انھوں نے اپنا ہم سفر بنایا۔ ایک عرصہ تک وہاں سیر و تفریح کرتے رہے۔ پھر واپس آگئے۔ دوسری مرتبہ ۱۸۵۴ میں پھر لندن گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا (۵)۔

مولوی احمد اللہ مدراسی:

مولوی احمد اللہ مدراسی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بطلِ جلیل تھے۔ وہ مدراس (قدیم نام چینا پٹن) میں (۱۲۰۴ھ) ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ وہاں دینی تعلیم حاصل کی۔ انگریزی زبان بھی سیکھی۔ فنونِ حرب و ضرب کی تربیت بھی حاصل کی۔ پھر وہ انگلستان کی سیر کو گئے۔ ۱۷ ماہ وہاں قیام کیا۔ وہاں انھوں نے ملکہ وکٹوریہ (۱۹۱۰-۱۸۳۸) سے بھی ملاقات کی۔ پھر مختلف اسلامی ملکوں کی سیر کرتے ہوئے واپس آگئے۔

سیر کرتے ہوئے وہ جے پور پہنچے۔ وہاں ایک بزرگ فرقان علی شاہ سے بیعت ہوئے۔ وہاں سے ٹونک گئے، گوالیار آئے۔ یہاں محراب شاہ قلندر کی زیارت کی۔ جنھوں نے مولوی احمد اللہ کو نصاریٰ کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی۔ پھر ادائیگی فریضۂ جہاد پر مولوی

Marfat.com

صاحب سے بیعت لی اور سلسلہ قادریہ کی خلافت عطا کی۔ اس بیعت کے بعد وہ تبدیل ہو گئے۔ آگرہ دہلی مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے۔ مگر ہر جگہ جہاد کی تیاری اور جہاد کے لیے فضا تیار کرنا مقصود تھا۔

ان کی اپنی تیاریاں تو ابھی تک مکمل نہیں ہوئی تھیں کہ مئی ۱۸۵۷ء میں فوجی سپاہیوں نے انگریز حکومت کے خلاف بغاوت شروع کر دی۔ مولوی احمد اللہ نے موقعہ کو غنیمت جانا اور اس میں پوری قوت سے شریک ہو گئے۔ انھوں نے انگریزی فوجوں سے سخت معرکہ آرائی کی۔ مقام محمدی پور ضلع سہارن پور میں انھوں نے باقاعدہ شرعی حکومت قائم کر دی تھی۔ ایک ہندو راجہ کی فریب دہی سے ۵ جون ۱۸۵۸ء کو مولوی صاحب کو شہید کر دیا گیا۔ جہاد میں ان کے اعلیٰ رویہ اور برتر کردار کی، دشمن انگریز مصنفین نے بھی تعریف کی ہے(٦)۔

واضح رہے کہ ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کے بعد بنگال پر انگریز کا تسلط ہو گیا۔ شرعی اعتبار سے دارالسلام، دارالکفر بن گیا۔ اس صورت میں جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مداری فقیروں کا ایک گروہ مجنوں شاہ مستانہ میواتی کی سرکردگی میں چل کر بنگال پہنچا۔ جہاد انھوں نے شروع کیا۔ یہ جہاد ۱۷٦۱ء سے ۱۷۷٦ء تک جاری رہا۔ وہ اور اس کے خلفاء موسیٰ شاہ، چراغ شاہ، سبحانی شاہ اور محراب شاہ وغیرہ اس میں حصہ لیتے رہے۔ (مجنوں شاہ مستانہ از پروفیسر سید محمد سلیم روزنامہ جسارت، کراچی، ۱۰ فروری ۱۹۸۷ء)

(Faraize Movement in Bengal, By Muinuddin Ahmad Khan Dacca) گمان غالب یہ ہے کہ فرقان شاہ اور محراب شاہ جنھوں نے مولوی احمد اللہ کو جہاد پر آمادہ کیا، یہ لوگ فقیروں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو اس سے قبل انگریزوں سے جہاد کر چکا تھا، اور جو جہاد کی آگ سینوں میں دبی رکھتا تھا۔ مولانا احمد اللہ کی سوانح عمری دریافت ہو گئی ہے اور ہندوستان سے شائع ہو رہی ہے۔ وہ دراصل آرکاٹ کے شاہزادے تھے۔

Marfat.com

سفر برائے ملازمت

سیاحت کا شوق تو پہلے سے تھا، اب انگلستان میں ملازمت اختیار کرنے کا نیا دروازہ کھل گیا۔ بات یہ ہوئی کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے اپنے یوروپین ملازمین کے لیے اردو اور فارسی کا جاننا لازمی قرار دے دیا۔ ان زبانوں میں دسترس حاصل کیے بغیر کوئی فرد ملازم نہیں ہو سکتا تھا۔ یورپین افراد کو یہ زبانیں سکھانے کا لارڈ ویلزلی نے کلکتہ میں ہی انتظام کیا تھا۔ فورٹ ولیم کالج درحقیقت افرنگیوں کو عربی فارسی، اردو، ہندی زبانیں سکھانے کا ادارہ تھا، مگر کمپنی کے ڈائریکٹروں نے فورٹ ولیم کالج کو بند کر کے اس درسگاہ کو انگلستان میں کھولنا پسند کیا۔ اس لیے لندن سے بیس مل دور ہیلی بری Haily Bury میں یہ کالج قائم کیا گیا (۱۸۰۵)۔ جہاں مختلف زبانوں کی تعلیم و تدریس کا انتظام کیا گیا تھا۔ کمپنی کی کوشش یہ تھی کہ خود اہل زبان تعلیم دیں۔ اس لیے بہت سے مسلمان شرفاء کو لندن میں ملازمت کے مواقع میسر آ گئے۔ علاوہ ازیں انگلستان کے بعض کالجوں نے بھی مشرقی زبانوں کی تدریس شروع کر دی تھی۔ ان کو بھی اساتذہ درکار تھے، ان ذرائع سے بہت سے مسلمان انگلستان میں گئے اور وہاں ملازم ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز کے غضب کے شکار جہاں ہندوستان میں اردو تعلیم کے ادارے ہوئے وہاں یہ ہیلی بری کالج بھی شکار ہو گیا۔ ۵۰ سال جاری رہنے کے بعد ۱۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو یہ ادارہ بند کر دیا گیا (۷)۔

سید میر حسن علی:

سید میر حسن علی کے والد کا نام میر حاجی شاہ تھا جو الماس علی خاں کے ملازم تھے۔ اس کے یہاں پیش امام تھے۔ تلاش معاش کے لیے وہ انگلستان چلے گئے۔ وہاں دس سال تک قیام کیا (۱۸۲۴-۱۸۱۴) وہ کمپنی کے فوجی اسکول بمقام کریڈن (Crydon) میں منشی مقرر ہو گئے۔ پھر جان شکسپیئر کی مہربانی سے لندن اسکول میں عربی اور فارسی زبانوں کی تدریس کے لیے استاد مقرر ہو گئے۔ وہاں شاہزادی آگسٹا کی خادمہ Barbara Crosswaite سے دین مسیحی کے مطابق انھوں نے شادی کر لی۔ جب واپس ہندوستان آئے تو اس بیوی کو بھی ساتھ لائے۔ لکھنؤ میں قیام

Marfat.com

کیا۔نواب غازی الدین حیدر (۱۸۱۴-۱۸۲۷ء) نے ایسے صاحب کمال کو تین سو روپے مشاہرہ پر ملازم رکھ لیا۔نواب احمد علی شاہ کے زمانہ میں ریزیڈنٹ کے یہاں وکیل بنا کر بھیجے گئے تھے۔ طویل عمر کر ۱۸۶۳ء میں ان کا انتقال ہوا (۸)۔

اولاد علی:

اولاد علی کا وطن اودھ (لکھنؤ) ہے۔وہ ملکہ (مادر واجد علی شاہ) کے ساتھ پیرس آئے تھے۔ملکہ کا یہیں انتقال ہو گیا۔وہ جامعہ ڈبلن میں ہندوستانی عربی فارسی کے پروفیسر تھے۔مختلف علوم پر مہارت رکھتے تھے۔دیسی لوگوں میں بھی ان کے علوم وفضل کی دھاک تھی۔انھیں فخرِ ہندوستان کہتے تھے۔(ص ۱۶۵، خطبات، جلد دوئم، ۱۹۶۷ء)۔(۹)

غلام حسین عظیم آبادی:

غلام حسین عظیم (پٹنہ-بہار) کے رہنے والے تھے۔تلاشِ روزگار میں انگلستان چلے گئے۔وہاں ہری کالج میں فارسی زبان کی تعلیم دینے کے لیے استاد مقرر ہو گئے۔ایک عرصہ تک وہاں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔(۹)

عبدالعلی:

عبدالعلی بھی ہیلی بری کالج میں اردو زبان کی تدریس کے لیے مامور تھے۔ایک عرصہ تک رہاں رہے (۱۰)۔

مرزا خلیل خاں:

مرزا خلیل خاں کلکتہ کے رہنے والے تھے۔تلاش معاش کے لیے انگلستان چلے گئے۔ وہاں ہیلی بری کالج میں تعلیم اردو پر مقرر ہو گئے تھے۔ایک عرصہ وہاں رہے (۱۱)۔

سید اولاد علی گیلانی:

سید اولاد علی گیلانی سادات بارہہ کے مشہور خاندان کے ایک فرد تھے۔تلاش معاش میں وہ انگلستان چلے گئے۔وہ آئرلینڈ کی ڈبلن یورنیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں عربی، فارسی اور

Marfat.com

اردو زبانوں کی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۹ء تک طویل عرصہ ان کا قیام انگلستان میں رہا (۱۲)۔

سید عبداللہ بریلوی:

سید عبداللہ جائس (رائے بریلی - یوپی) کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد سید محمد تحصیل دار تھے۔ سید عبداللہ نے ۱۸۳۹ء میں جبل پور کالج میں تعلیم حاصل کی۔ پھر بنارس سے اوورسیری (Over Seer) کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۴۶ء میں لاہور ریزیڈنسی میں مترجم مقرر ہو گئے۔ ۱۸۴۸ء میں انگلستان کے سفر پر روانہ ہو گئے اور وہیں رہ پڑے۔ (۱۸۶۴-۱۸۶۶ء) وہ لندن یونیورسٹی میں پروفیسر رہے (۱۳)۔ ربع صدی انھوں نے انگلستان میں گزار دی۔ وہاں ایک انگریز عورت سے شادی کر لی۔ ؎۱

وہ مشرقی اور مغربی علوم پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ انگریزی تحریرات ان کی بڑی شستہ اور پرشکوہ ہوتی تھیں۔ واپسی پر کلکتہ میں انگریزی حکومت نے انھیں ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایجوکیشن مقرر کر دیا تھا۔ ان کا انتقال مٹھیاری صوبہ اڑیسہ میں ہوا (۱۴)۔

سفر برائے دادرسی

اس دور میں انگریز کمپنی کی حکومت سارے ہندوستان میں قائم ہو چکی تھی۔ بیسیوں نوابین اور امراء کی ریاستیں اور جاگیریں بحق سرکار کمپنی ضبط ہو چکی تھیں۔ ان کے والی نوابوں اور امراء کو کمپنی کے حکام سے بہت سی شکایات تھیں۔ ان نوابوں کے، امیروں کے پنشن کے مسائل

؎۱: ابھی حال میں یونی ورسٹی کالج لندن سے میرے دوست سید عبداللہ مستعفی ہوئے ہیں۔ انھوں نے عربوں کی سائنس اور یورپی سائنس کے باہمی تعلق پر ایک مضمون کلکتہ سے لکھا ہے۔ ص ۹۰، خطبات گارساں دتاسی۔ حصہ دوم، ۱۸۶۶ء، ص ۱۲۰-۱۲۱

پرنس آف ویلز جب ہندوستان آئے (۱۸۷۲ء) تو سید عبداللہ نے ان سے ملاقات کی۔ مقالات۔ ج۔ ا۔ ص ۱۷۱۔

Marfat.com

بھی الجھے ہوئے تھے۔ اس لیے کتنے ہی والیان ریاست نے اپنے نمائندہ وفود لندن کی مرکزی حکومت کے پاس دادرسی اور ازالۂ شکایت کے لیے روانہ کیے۔ یہ وفود اپنا مقدمہ قانونی طور پر بھی تیار کر کے لے جاتے تھے اور اعلیٰ حکمرانوں کے لیے تحفے اور نذرانے بھی لے کر جاتے تھے۔ مگر کسی وفد کی وہاں دادرسی نہیں ہوئی۔ کسی کو کامیابی نہیں ہوئی۔ سب ناکام لوٹے۔ البتہ اس طرح بعض افراد کو انگلستان میں قیام کرنے کا موقع مل گیا۔ وہاں کے حالات اور معاشرہ کو سمجھنے کے مواقع مل گئے۔

مولوی محمد اسماعیل لندنی:

مولوی محمد اسماعیل کے والد کا نام وجیہ الدین تھا ان کا مولد و منشا مراد آباد تھا۔ علوم کی تحصیل لکھنؤ کے علماء سے کی تھی۔ نواب نصیر الدین حیدر والی اودھ نے ۱۲۵۳/۱۸۷۳ میں ایک وفد لندن روانہ کیا۔ اس وفد کا سربراہ مولوی محمد اسماعیل کو بنایا، ان کی امداد کے لیے کرنل ڈبوا اور فرنیل کو بھی ساتھ روانہ کیا۔ وفد نے لندن جا کر جارج چہارم سے ملاقات اور بہ وقت ملاقات تیس لاکھ روپے کی رقم نذرانے کے طور پر پیش کیے۔ مگر حقوق واگزار کرنے کے معاملہ میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

مولوی اسماعیل بڑے خوش مزاج اور ملنسار آدمی تھے بڑی جلدی لندن کی سوسائٹی میں گھل مل گئے۔ ایک عورت سے وہاں شادی کرلی، جب وہ واپس آئے تو وہ عورت بھی واپس آئی۔ لندن میں قیام کی وجہ سے لندنی ان کے نام کا جزو بن گیا۔ افسوس جب وہ لندن سے واپس بمبئی پہنچے تو یہاں ان کا انتقال ہو گیا (۱۸۳۸ء) وہ عورت یہیں سے واپس لندن چلی گئی۔

اقبال الدولہ محسن علی خاں:

اس وفد کے کچھ عرصہ بعد نواب سعادت علی خاں کا پوتا اقبال الدولہ محسن علی خاں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لیے ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں انگلستان گیا مگر حسب سابق اس کو بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ واپس آ کر حالاتِ سفر پر اس نے ایک کتاب ترتیب دی، اُس کا نام ہے

Marfat.com

''اقبال فرنگ''۔ یہ کتاب انھوں نے فارسی زبان میں لکھی ہے اس میں ان کی تصویر بھی ہے۔

جنرل عظیم اللہ خاں:

عظیم اللہ خاں روہیلہ ناگپور کے رہنے والے تھے۔ ناگپور کے فری اسکول میں انھوں نے انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ ماسٹر پیٹاں Petan وہاں ہیڈ ماسٹر تھے، وہ ان پر بہت مہربان تھے۔ پھر انھوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے فرانسیسی زبان بھی سیکھ لی، انھیں دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی، اور بے تکلف بولتے تھے۔

ان کی انگریزی دانی کی وجہ سے ناگپور کے مرہٹہ راجا نے ان کو پسند کیا، اپنی پنشن کی بحالی کے مقدمہ میں وہ ۱۸۵۴ میں لندن روانہ ہوئے، وہاں جا کر اندازہ ہوا کہ کامیابی کی کوئی امید نہیں۔ اس لیے وہ وہاں سے واپس آ گئے، پانچ لاکھ روپے برباد کر کے چلے آئے۔ واپسی میں وہ خلافت عثمانیہ ترکیہ گئے۔ اس زمانے میں روس اور ترکیہ کے درمیان جنگ کریمیا (۱۸۵۵) جاری تھی۔ عظیم اللہ خان سیبطاپول گئے اور بطور مشاہدہ جنگ میں شریک ہوئے۔ وہاں ترکی جنرل عمر پاشا سے انھوں نے تعلقات قائم کیے۔ ہندوستان آنے کے بعد بھی ان سے مراسلت جاری رہی۔ یہی وہ عظیم اللہ خاں ہیں جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے اہم رہنما اور ہیرو ہیں۔

نواب محمد علی عرف جمی گرین:

محمد علی خاں نواب نجیب الدولہ کا پوتا تھا انھوں نے انگریزی کی تعلیم بریلی کالج قائم شدہ ۱۸۳۸ء میں حاصل کی پھر رڑکی انجینئرنگ کالج قائم شدہ ۱۸۴۸ء سے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ پورے کالج میں اول درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ پھر انھوں نے انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں انگریز افسروں کا رویہ ہندوستانیوں کے ساتھ بڑا حقارت آمیز ہوتا تھا۔ محمد علی ایک غیرت مند روہیلہ نوجوان تھا پٹھان بچہ توہین برداشت نہ کر سکا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

اس زمانہ میں مہاراجہ نیپال انگلستان جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ایک انگریزی داں کی

Marfat.com

ضرورت تھی۔ مہاراجہ نیپال نواب محمد علی خاں عرف جمی گرین کو اپنے ہمراہ لے کر لندن روانہ ہو گئے۔ وہاں سے واپسی کے بعد جلدی ہی پھر دوبارہ سفر کا اتفاق ہو گیا۔ جنرل عظیم اللہ خاں ۱۸۵۸ میں جب لندن گئے تو اپنے ساتھ جمی گرین کو بھی لیتے گئے۔ کریمیا کی جنگ میں بھی وہ شریک رہے۔

جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہوئی تو جمی گرین نے بھرپور حصہ لیا۔ فوجی کیمپ میں جاسوسی کرتے ہوئے وہ گرفتار ہوئے۔ انگریز افسر میچل کے خیمہ میں ان کو رکھا گیا۔ وہ ان کے مردانہ حسن اور انگریزی دانی سے بڑا متاثر ہوا۔ زیر حراست قیدیوں سے حالات سن کر اس نے قلم بند کر لیے۔ اس طرح یہ واقعات محفوظ ہو گئے اور معلوم ہو گئے۔ دوسرے دن ۱۱ فروری ۱۸۵۸ء کو نواب محمد علی خاں کو پھانسی دے دی گئی۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کا عرف جمی گرین کیوں پڑ گیا؟ شاید اس وجہ سے کہ سرخ و سپید وجیہہ آدمی تھے۔ انگریزی روانی سے بولتے تھے، اس لیے لوگوں نے مذاقاً جمی گرین کہنا شروع کر دیا ہو۔

مولوی مسیح الدین علوی کاکوروی:

یہ قاضی القضاۃ مولانا نجم الدین کاکوروی کے پوتے تھے۔ ۱۸۰۲ء میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔ دینی تعلیم گھر پر اور انگریزی تعلیم آگرہ کالج میں حاصل کی تھی۔ یہ انگریزی حکومت میں ملازم ہو گئے تھے۔ ۱۸۴۴ میں گورنر جنرل کے منشی تھے۔ اچانک استعفیٰ دے دیا اور تجارت شروع کر دی، مگر وہاں بھی ناکام رہے۔

۱۸۵۶ء میں لارڈ ولزلی نے نواب واجد علی شاہ اودھ کو ریاست کی سربراہی سے معزول کر دیا اور ریاست اودھ کو انگریزی حکومت میں ضبط کر لیا۔ نواب کو کلکتہ میں نظر بند کر دیا اس مرتعہ پر حاکمانہ مظالم کے خلاف چارہ کوئی کے لیے واجد علی شاہ نے ایک وفد لندن کی مرکزی حکومت کے پاس روانہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس وفد میں درج ذیل اصحاب شامل تھے:

Marfat.com

۱۔ مولوی مسیح الدین علوی کاکوروی

۲۔ حکیم احسن الزمان نگینوی

۳۔ منشی محمد الدین (مولانا عبدالحلیم شرر کے نانا)

۴۔ واجد علی شاہ کی والدہ

۵۔ ولی عہد بہادر مرزا اسکندر حشمت

وفد کے لندن پہنچنے کے چند ماہ بعد ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ برپا ہوئی، اس وقت انگریز انتہائی غضب ناک تھے۔ اسی لیے ملاقات تو رہی ایک طرف، وفد نے بہت سارا زمانہ کمرہ میں محبوس ہو کر گزارا۔ پھر یہ وفد فرانس چلا گیا۔ وہاں والدہ بیگم کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز و تکفین میں بے حد مشکلات پیش آئیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کے فرانسیسی محسن گارساں دتاسی نے اسی موقع پر مقدور بھر امداد کی۔ وہ بیگم کا نام تاجارا بیگم (کذا) لکھتا ہے۔ بہرکیف وفد بری طرح ناکام ہوا۔ نواب واجد علی شاہ نے ایک سال کے بعد ہی وفد کو معزول کر دیا۔ دوسرے افراد تو واپس آ گئے مگر مولوی مسیح الدین وہیں رہے۔ واپسی میں مصر میں رہے۔ سعادتِ حج حاصل کی۔ حرمین کے علماء سے سند حدیث حاصل کی، اس کے دو سال بعد ہندوستان آئے۔ ۱۸۶۳ء میں یہاں آ کر قرآن مجید حفظ کیا، ۱۸۸۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے حالاتِ سفر پر ایک کتاب لکھی۔ ''روئداد وفد اودھ'' ایک ضخیم سفر نامہ ہے۔ یہ مطبوعہ ہے اور ۱۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں سفر کے علاوہ خاندان کے حالات بھی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ مختلف علوم کی جامع ایک کتاب ''مفتاح الرشاد'' بھی ان کی یادگار ہے، جو اس زمانہ میں کلکتہ سے طبع ہوئی تھی۔

۲۔ نوابین اور امراء

انگریزی حکومت کے کامل غلبہ حاصل کر لینے کے بعد ہندوستان کے نوابین، امراء کا واسطہ سرکار انگریزی سے پڑنے لگا۔ اس سے انھیں انگریزی زبان سیکھنے کی ضرورت کا احساس ہوا۔ بعض نے انگریزی زبان اور علوم کی تحصیل کی۔ مطالعہ کتب انگریزی سے بعض نے دلچسپی لی۔

Marfat.com

چند کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے:

نواب سید احمد علی خاں (مرشد آباد):

شمس الدولہ نواب سید احمد خاں بہادر ذوالفقار جنگ، نواب مرتضیٰ حسین کے فرزند نواب نصرت جنگ بہادر کے برادر مبارک الدولہ نواب ڈھاکہ کے داماد اور جسارت خاں حاکم ڈھاکہ کے نواسے تھے۔ ڈھاکہ ہی ان کا مولد اور منشا تھا۔ تعلیم و تربیت بھی ڈھاکہ میں حاصل کی، شعر و ادب کا شوق تھا علم ریاضی سے دلچسپی تھی۔ فرنگی زبان (انگریزی) میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ کئی تصانیف ان کی یادگار ہیں، ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء میں ان کا انتقال ہوا ہے (۲۰)۔

عبداللہ یوسف علی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''لارڈ ایمہرسٹ (۱۸۴۴ء-۱۸۸۴ء) کے زمانہ میں نوابان مرشد آباد (ڈھاکہ) پینشن یافتہ ہو چکے تھے فارغ اوقات میں وہ انگریزی ادب اور انگریزی سیاست کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے تاکہ انگریزی کاری گری کے ''گر'' سمجھ سکیں'' (۲۱)۔

نواب صاحب انگریزی تعلیم کے لیے طلبہ کو وظیفہ دیتے تھے۔

گارساں دتاسی پیرس میں بیٹھ کر نواب مرشد آباد کے متعلق یہ اطلاع دیتے ہیں:

> ''نواب نے مغربی تعلیم اپنے ہم مذہب بنگالی مسلمانوں میں مقبول بنانے کی غرض سے چھ سال کی مدت کے لیے چار وظائف دیے ہیں۔ یہ اس طرح تقسیم ہوں گے: ایک نظامت کالج کے طالب علم کے لیے ایک مدرسہ عالیہ کے طالب علم کے لیے اور دو کلکتہ ریزیڈنسی کالج کے طلبہ کے لیے'' (۲۲)۔

موصوف کے تینوں نوجوان صاحبزادے حسن علی مرزا، حسین علی مرزا، اور محمد علی مرزا تعلیم کی غرض انگلستان آئے ہوئے تھے (۱۸۶۵ء) یہاں انھوں نے ایک سال قیام کیا۔ ان کے

Marfat.com

ہمراہ سید وزیر علی اور کرنل سی ہربرٹ آئے ہیں۔ صاحب زادوں میں دو اوّل الذکر کی تربیت یورپی انداز پر ہوئی ہے۔ وہ انگریزی زبان میں بلا تکلف گفتگو کر سکتے ہیں۔ کھانے کے معاملے میں پرہیز کرتے ہیں۔ اس لیے دعوتوں سے انکار کرتے ہیں۔

نواب بنگال کا پورا نام مع خطابات گارساں دی تاسی نے اس طرح بیان کیا ہے:

""منتظم الملک، محسن الدولہ، فریدوں جاہ، نواب سید منصور علی خاں نصرت جنگ نواب ناظم بنگال، بہار، اڑیسہ" (۲۳)۔

نواب غازی الدین حیدر (۱۸۱۴ء-۱۸۳۷ء) لکھنؤ:

نواب غازی الدین حیدر کو مشرقی علوم سے بہت دلچسپی تھی۔ سب سے پہلے چھاپا خانہ لکھنؤ میں "مطبع سلطان" کے نام سے انھوں نے ۱۸۱۹ء میں لگایا تھا۔ انھیں فنون لطیفہ خاص طور پر مصوری کا بہت شوق تھا۔ فن کاروں کی وہ سرپرستی کرتے تھے۔ یورپ کی مادی ترقی سے بہت متاثر تھے اور مغربی علوم میں ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ علم کیمیا میں وہ کافی وقت صرف کرتے تھے۔ کلوں (مشینوں) سے بھی انھیں کافی دلچسپی تھی۔ مختلف تجربوں کا مشورہ دیتے رہتے تھے، دخانی جہاز میں انجن کو گھمانے چلانے کے لیے ایک پیچ دار پہیہ لگانے کا نیا طریقہ انھوں نے اپنے ملازم انگریز انجینئر کو بتایا تھا (۲۴)۔

نواب مرزا ظہیر الدین اظفری دہلوی:

نواب مرزا ظہیر الدین اظفری، دہلی کے مغل شاہزادوں میں سے تھے۔ انھیں علوم و فنون اور زبانوں کا بہت شوق تھا۔ عربی، فارسی، اردو اور ترکی زبانیں بخوبی جانتے تھے۔ پھر انھوں نے انگریزی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ اس میں بھی انھیں قدرت تکلم حاصل تھی۔ مغل شہزادگان قلعہ معلی کے ایک حصہ میں محبوس تھے، سلاطین کہلاتے تھے۔ ظہیر الدین کسی طرح وہاں سے فرار ہو گئے اور ارکاٹ، مدراس جا پہنچے۔ عمر کے آخری ایام میں وہ والا جاہ نواب آرکاٹ، مدراس کے یہاں چلے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

Marfat.com

تاریخ میں ان کی ایک کتاب ''واقعات اظفری'' ہے جس کو سید علی عباس نے اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۹۶۳ء میں لاہور سے شائع کیا ہے (۲۵)۔

مولوی حبیب النبی (رام پور):

مولوی حبیب النبی، مولوی ضیاء النبی منصرم اور ریاست رامپور، وزیر اعظم، امر بخشی (سالار فوج) کے بیٹے تھے، ابتدائی تعلیم انھوں نے رامپور ہی میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ چلے گئے۔ سند فراغت وہاں سے حاصل کی اور وہیں وہ مدرس مقرر ہو گئے۔ ۵۳ سال کی عمر میں (۱۲۶۱ھ-۱۸۴۵ء) کلکتہ میں ان کا انتقال ہوا (۲۶)۔

نواب سلطان علی:

ان کا تذکرہ گارساں دتاسی نے اس طرح کیا ہے:

> ''نواب سلطان علی خاں سے ملاقات ہوئی موصوف کے ساتھ ہندوستانی زبان میں گفتگو کرتا رہا۔ موصوف نہایت شستہ فرانسیسی بولتے تھے، موصوف نے اپنی تعلیم کی تکمیل روس میں کی'' (۲۷)۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں کے نواب تھے، روس کیسے جانا ہوا تھا؟

۳۔ علماء دین

مختلف محرکات کی بناء پر اس دور میں علماء دین بھی انگریزی زبان اور مسیحیت کے علوم کی جانب متوجہ ہوئے۔ انھوں نے مختلف مغربی زبانیں سیکھیں اور مسیحیت کے دینی لٹریچر کا دقت نظر سے مطالعہ کیا اور پھر مناظرہ باز مسیحی مشنری پادریوں کو جواب دیا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی:

تورات اور انجیل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتابیں ہیں۔ اگرچہ ان میں بے اندازہ تحریفات ہو چکی ہیں اور قرآن مجید نے نازل ہو کر سابق

Marfat.com

کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔لیکن علماء کرام کو ان کتابوں کے مطالعہ کا شوق رہا ہے۔فرنگی حکومت قائم ہو جانے سے فرنگی علماء خصوصاً عبرانی کے عالم یہاں آنے لگے تھے۔علماء کی دیرینہ خواہش جاگ اُٹھی اور انھوں نے یہودی عالموں سے عبرانی زبان سیکھی اور تورات پڑھی۔سرخیل علماء ہندوستان، مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) نے اس زمانہ میں عبرانی زبان کی تحصیل کی۔حتیٰ کہ وہ براہِ راست توراۃ کا مطالعہ کر سکتے تھے۔اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں:

فاضلے از اکابر علمائے یہود بہ دہلی آمد، از واز تحقیق تورات بالسان عبری کردم (۲۸) علماء یہود میں ایک فاضل شخص دہلی میں وارد ہوا۔ میں نے اس کی نگرانی میں عبرانی زبان میں تورات کا مطالعہ کیا۔

مولانا عنایت رسول چریا کوٹی:

اس دور کے ایک دوسرے فاضل علام مولانا عنایت رسول چریا کوٹی تھے (پیدائش: ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء) عبرانی زبان کی تحصیل کے شوق میں انھوں نے کافی مشقت اٹھائی۔وہ گھر سے کلکتہ گئے، وہاں کئی سال تک مقیم رہے۔وہاں مختلف علماء یہود سے عبرانی اور سریانی زبانوں کی تحصیل کی (۱۲۷۴)۔تورات پر ان کی بڑی تحقیقی نظر تھی، اس موضوع پر ایک تحقیقی کتاب (بشریٰ) انھوں نے لکھی ہے جس کا نقش ثانی لاہور سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا ہے۔۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔وہ انگریزی یونانی، عبرانی، کالدی اور سنسکرت زبانیں جانتے تھے (مقدمہ بشریٰ)، (۲۹)۔

مولوی عبدالہادی:

مولوی عبدالہادی ایک ہندو گھرانہ میں ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔جھومکا جمپارن، بہار کے رہنے والے تھے۔حساب، تاریخ، ادب اور انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی اور برٹش انڈیا کمپنی کے قوانین کا مطالعہ کر کے مقابلہ کے امتحان میں شرکت کی غرض سے پٹنہ گئے۔وہاں اس وقت سید احمد شہید اپنے قافلہ کے ساتھ حج کو جاتے ہوئے گزر رہے تھے (۱۸۲۱)۔ان کی تبلیغ سے

Marfat.com

پہ متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، پھر مولانا ولایت علی صادق پوری اور دیگر علماء سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اطراف میں دورے کرتے تھے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ ۱۳۶۵ھ میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ سفر میں ہی انتقال ہو گیا۔ (۲۹ الف)

ڈاکٹر وزیر خاں:

زبانوں کی تحصیل میں علمی شوق کے ساتھ ایک اور طاقتور محرک شامل ہو گیا تھا۔ وہ تھا دفاعِ اسلام اور دفاعِ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس دور میں مسیحی پادریوں کا ٹولہ گروہ در گروہ مسلمانوں کی آبادیوں میں سر بازار مسجدوں کے سامنے تقریر کرتا تھا، مناظرہ کرتا تھا۔ برملا علماء کو مناظرہ کا چیلنج دیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملے کرتا تھا، گندی زبان استعمال کرتا تھا۔ مسلمانوں کو اشتعال دلاتا تھا۔ یہ سب کچھ کمپنی کے بعض ملازمین کی شہ پر ہو رہا تھا۔ اس سلسلہ میں گارساں دتاسی مسیحی کا بھی بیان سنیے:

> ''مسیحی مبلغین اپنا مذہبی جوش ظاہر کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ میلوں کے موقعوں پر جو مذہبی اور تجارتی دونوں اہمیت رکھتے ہیں، ہندوستانیوں کے جم غفیر میں وہ اپنے خیمے لگا لیتے ہیں۔ وہاں تقریر اور وعظ کرتے ہیں۔ رسالے تقسیم کرتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں ۲۷ جنوری (۱۸۶۵) کو گنگا جمنا کے سنگم الٰہ آباد کے میلے کے آخری دن، کہتے ہیں، کوئی ستر ہزار نفوس تھے۔ اس میلے میں ان مبلغین نے بڑی سرگرمی دکھائی'' (۳۰)۔

یہ فتنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد تھا اپنی طویل تاریخ میں مسلمانوں کو ایسے اشتعال انگریز واقعات سے سابقہ پیش نہیں آیا تھا۔ بہر کیف علماء کرام نے حوصلہ مندی سے کام لیا۔ انھوں نے اس کے لیے تیاریاں کیں۔ ناپیمودہ راہوں پر بادیہ پیمائی کی۔ یہودیوں اور مسیحیوں کے لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ اجنبی زبانیں سیکھیں۔ متعلقہ کتب فراہم کیں۔ اس مہم میں پیش قدمی کا سہرا ڈاکٹر

Marfat.com

وزیر خاں کے سر ہے۔

ڈاکٹر وزیر خاں ولد نذیر خاں پٹھان صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے میڈیکل کالج کلکتہ سے جدید طب (ڈاکٹر) کی تعلیم حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے وہ لندن روانہ ہو گئے۔ ان کے اندر دینی جذبہ بھرا ہوا تھا۔ وہاں انھوں نے توراۃ اور انجیل کے قدیم نسخے جمع کیے۔ ان کی شروح جمع کیں۔ سارا دینی ذخیرہ لے کر وہ واپس لوٹے۔

بحیثیت ڈاکٹر ان کا آگرہ میں تقرر ہوا۔ یہاں انھوں نے مسیحیت کے تحقیقی مطالعہ کی بنیاد رکھی۔ آگرہ کی جامع مسجد میں علماء جمع ہوتے تھے۔ ڈاکٹر وزیر خاں سے وہ مذکورہ کتابوں کا اور زبانوں کا باقاعدہ درس لیتے تھے۔ تین چار سال یہ تحقیقی مطالعہ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد مسیحی مشنریوں سے مناظرہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے (۳۱)۔

۱۸۵۴ء کے مشہور مناظرہ میں، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، ڈاکٹر وزیر خاں نے حصہ لیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں وہ انگریزی حکومت کے معتوب تھے اس لیے چھپ چھپا کر حجاز چلے گئے۔ وہاں یمن کے ایک شیخ کا کامیاب علاج کیا۔ اس نے ڈاکٹر وزیر خاں کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ برطانوی حکومت کے مطالبات کو رد کر دیا۔ زندگی کے آخری ایام ڈاکٹر وزیر خاں نے حجاز مقدس میں گزارے۔ ۱۸۷۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مولوی رحمت اللہ کیرانوی:

مولوی رحمت اللہ کیرانہ سہارن پور کے رہنے والے تھے۔ مناظرہ سے انھیں دلچسپی تھی۔ ڈاکٹر وزیر خاں نے آگرہ میں جن علماء کو مناظرہ بازی کے لیے تیار کیا تھا ان میں ایک مولوی رحمت اللہ تھے۔ انھوں نے مغربی زبانیں سیکھیں اور مسیحی لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۵۷ء کے مشہور مناظرہ میں انھوں نے بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں یہ بھی حکومت کے یہاں معتوب تھے۔ بھیس بدل کر یہ بھی حرم مکہ میں چلے گئے۔ آگرہ کے مناظرہ کے بعد مشہور مسیحی مشنری پادری فنڈر نے پھر ۱۸۴۰ء

Marfat.com

میں قسطنطنیہ میں مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ اطلاع ملنے پر مولویؒ قسطنطنیہ گئے۔ فنڈر ان کی شکل دیکھتے ہی فرار ہوگیا۔ شیخ الاسلام نے اور خلیفۃ المسلمین نے مولوی رحمت اللہ کا بہت زیادہ اعزاز و اکرام کیا۔ مولوی رحمت اللہ کی اس کامیابی پر سب لوگ حیران رہ گئے۔

اس زمانہ میں سلطان ٹیپو کی پوتی کلکتہ سے حج کرنے آئی ہوئی تھی۔ مولوی رحمت اللہ حرمِ مکہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہاں اس زمانہ میں کوئی مدرسہ موجود نہیں تھا۔ ٹیپو کی پوتی صولت النساء بیگم نے مدرسہ کے لیے تیس ہزار روپیہ کی خطیر رقم عطا کی۔ مولویؒ نے اس کے نام پر مدرسۂ صولتیہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۲ء) میں قائم کیا۔ بحمد اللہ آج بھی یہ مدرسہ خدمت انجام دے رہا ہے۔ ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ-۱۸۹۰ء میں بعمر ۷۵ سال بروز جمعہ مولویؒ نے مکہ مکرمہ میں انتقال کیا۔ جنت المعلیٰ مکہ میں دفن ہوئے (۳۲)۔

مشہور مناظرہ آگرہ:

روز اول تاریخ، بروز پیر ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء

مقام: کٹڑا عبدالمسیح، اکبر آباد، آگرہ، بوقت صبح

عیسائی مناظر: پادری فنڈر، پادری فرنچ

مسلمان مناظر: مولوی ڈاکٹر وزیر خان

شرکاءِ مجلس:

مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی، مسٹر کرسچین سکنڈ صدر صوبہ بورڈ مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقہ فوج، مسٹر لیڈلے ترجمان حکومت، پاری ولیم گلبن وغیرہ۔ مفتی ریاض الدین، مولوی فیض احمد سرشتہ دار صدر بورڈ، مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ، مختار راجہ بنارس، مولوی قمر الاسلام امام جامعہ مسجد آگرہ، منشی خادم علی مہتمم مطلع الاخبار و منشی سراج الحق وغیرہ۔

عنوان مباحثہ:

نسخ و تحریف، الوہیت، حیاتِ مسیح، تثلیث اور رسالت محمدیہ۔ پہلے روز ہی پادری فینڈر

Marfat.com

نے سات آٹھ جگہ تحریف کتب مقدس تسلیم کرلی۔

روز ثانی:

۱۲ رجب بروز منگل، عیسائی مناظر سابق الذکر کے علاوہ پادری ہارلے۔ مسلمان مناظر سابق الذکر۔

شرکاء مجلس:

مفتی اسد اللہ صدر الصدور، مولوی امجد علی وکیل، مولوی امیر علی شاہ، مولوی قمر الدین خاں مہتمم اسعد الاخبار، مولوی مظفر علی شاہ جعفری، سید صفدر علی شکوہ آبادی، مولوی فیض احمد بدایونی، مولوی امیر اللہ وکیل، مولوی معین الدین ایک ہزار سے زائد حاضری تھی۔

غیر منفصل اجلاس ختم ہوگیا۔(۳۲؟)

پھر مباحثہ بذریعہ تحریر از یکم مئی تا ۱۶ راگست ۱۸۵۴ء

ان تمام مناظروں کی روئیداد ''البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف'' میں درج ہے (مرتب وزیر الدین، طابع حافظ عبداللہ، فخر المطابع، شاہجہاں آباد دہلی سے ۱۲۷۰ھ) ہوا۔

شاہزادہ ولی عہد مرزا فخر الدین بن سراج الدین بہادر شاہ دہلی کے حکم سے طبع ہوکر یہ رسالہ ہندوستان کے اطراف واکنان میں اشاعت پذیر ہوا۔

اس معرکہ آراء مناظرہ نے مسیحی مشنریوں کا رخ ہمیشہ کے لیے پھیر دیا۔ وہ مسلمانوں کی جانب سے مایوس ہوگئے اور ہندوؤں کے ادنیٰ طبقات پر توجہ دینا شروع کردیا۔

۴۔ عوام وخواص

سید محمد خاں:

سید محمد خاں انگریزی زبان سے واقف تھے۔ اس وجہ سے سرکار انگریزی کے دفتر میں منشی کے طور پر ملازم رہے۔ 1815 میں انھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ پہلے دکن میں

Marfat.com

مجسٹریٹ رہے (۱۸۲۰)۔ پھر جبل پور میں مجسٹریٹ اور کلکٹر رہے۔ (۱۲۴۵ء/۱۸۵۷ء) کی جنگ میں بھی وہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہے۔ حکومت نے ان کو خان بہادر کا خطاب دیا۔ سید محمد خان صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند تھے، ۳۰ نومبر ۱۸۶۸ کو ۹۶ کی عمر میں انھوں نے لکھنؤ میں انتقال کیا۔ ان کے لڑکے سید عبداللہ کے ایک شاگرد لارڈ پامر نے سید محمد خان کی وفات پر عربی زبان میں ایک مرثیہ کہا (۳۳)۔

سید عبداللہ:

سید عبداللہ سید محمد خاں کے فرزند تھے۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح انگریزی زبان اچھی طرح جانتے تھے، حتیٰ کہ خود انگریز ان کی زبان دانی کے معترف تھے۔ انھوں نے وسط ہند کے مشہور مقام جبل پور کالج سے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی۔ کالج میں وہ ۱۸۴۹ء میں داخل ہوئے تھے، اور داخل ہونے والے وہ پہلے مسلمان تھے۔ ان کا تذکرہ انگلستان میں ملازمت کرنے والوں کی ضمن میں بھی کیا جا چکا ہے (۳۴)۔

منشی مظفر علی:

منشی مظفر علی دہلی کے قریب متھرا شہر کے رہنے والے تھے۔ انگریزی زبان پر ان کو بڑی قدرت حاصل تھی۔ ۱۸۳۳ء میں وہ موجود تھے۔ مشہور مورخ عبدالقادر خاں سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ انھوں نے ان کا ذکر کیا ہے (۳۵)۔

غلام حسین تاجر کلکتہ:

مجاہد کبیر سید احمد شہید سفر حج پر روانہ ہونے کے لیے ۱۸۲۱ میں کلکتہ میں وارد ہوئے تھے۔ وہاں ملک التجار غلام حسین نے سید صاحب سے بیعت کی تھی اور ان کے پورے قافلے کی دعوت کی تھی۔ وقائع احمدی کے مصنف کا بیان ہے کہ ان کا کاروبار دور دراز ملکوں میں پھیلا ہوا تھا۔ مختلف ملکوں میں ان کی کوٹھیاں قائم تھیں اور مختلف شہروں میں ان کے نمائندے رہتے تھے۔ صدر دفتر کلکتہ سے جو مراسلت ہوتی تھی وہ دنیا کی تیرہ زبانوں میں ہوتی تھیں۔ مثلاً انگریزی، فرانسیسی،

Marfat.com

چینی، ترکی، عربی، فارسی، کوکنی اور ہندوستان کی صوبائی زبانیں، اس سے جہاں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ملک التجار کا کاروبار کس قدر وسعت اختیار کیے ہوئے تھا۔ وہاں اس امر کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے صدر دفتر کلکتہ میں بیٹھنے والے سارے ملازمین دنیا کی بیشتر زبانوں سے واقف تھے، اور لکھنے پڑھنے کی مہارت رکھتے تھے (۳۶)۔

علی اکبر پانی پتی:

علی اکبر پانی پت کے رہنے والے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۸۳۲ء میں ہوئی تھی۔ انھوں نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر اسپرنگر کو جب مامور کیا گیا کہ نوابان اودھ لکھنؤ کے کتب خانہ کی فہرست تیار کرے تو اس نے اپنے دہلی کے شاگرد علی اکبر کو اپنے ساتھ لیا۔ ایک سال دس مہینہ کی مدت (۱۸۴۸ء-۱۸۹۰ء) میں دس ہزار کتابوں کی فہرست تیار ہوئی، فہرست کا عنوان یہ تھا:

Catalogue of the Arabic Persian and Hindustani Manuscripts in the Imperial Library of Oudh......by A Sprenger. M.E.Vol: 1

علی اکبر نے اس فہرست کی تیاری میں بڑی محنت کی تھی۔ اسپرنگر نے خوش ہو کر آگرہ کالج میں عربی زبان کے استاد اوّل کے لیے اس کی سفارش کی۔ افسوس اس لائق انسان کا نوجوانی میں (۱۸۵۴ء) انتقال ہو گیا (۳۷)۔

سید سعید الدین:

سید سعید الدین ولد غلام جیلانی حسنی بریلی کے باشندے تھے۔ تعلیم انھوں نے بریلی اور لکھنؤ میں حاصل کی تھی۔ تلاش معاش کے سلسلے میں کلکتہ گئے۔ راجہ رام موہن رائے نے ان کو اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ راجہ نے ان سے عربی سیکھ لی۔ شاہ عالم بادشاہ کی طلب پر جب راجہ رام موہن رائے دہلی پہنچے ۱۸۲۰ء میں تو سید سعید الدین ان کے ہمراہ تھے۔ راجہ سفارت پر لندن چلا گیا۔ سید سعید، مظفر پور بہار چلے گئے۔ وہاں ۱۸ سال تک رہے۔ پھر واپس بریلی آئے۔ یہاں آ کر ۱۸۸۷ء میں ان کا انتقال ہو گیا (۳۸)۔

Marfat.com

مولوی محمد بخش:

ان کے آباؤ اجداد سری نگر کشمیر کے تھے۔ یہ میرٹھ میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے تھے، وہیں تعلیم حاصل کی۔ انگریزی زبان کی بھی تعلیم حاصل کی۔ کلکٹر میرٹھ کے دفتر میں کلرک مقرر ہو گئے۔ پھر سہارن پور تبادلہ ہو گیا۔ یہاں وہ بخش کرانی کے نام سے مشہور تھے۔ کرانی اس دور میں کلرک کو کہتے تھے۔ دفتر کو بھی کرانی خانہ کہتے تھے۔ کلرک کا لفظ استعمال نہیں ہوتا تھا۔ محمد بخش انگریزی لباس بھی پہنتے تھے۔ شاید اس وجہ سے کرانی کہتے ہوں۔ جب بنگالی کلرکوں کی کثرت ہوئی تو بابو کا لفظ عام ہوا۔

فتح پنجاب کے بعد ۱۸۴۹ء میں ان کو محکمہ بندوبست اراضی کے اہم منصب پر مقرر کیا گیا۔ یہ ملتان، ڈیرہ غازی، بنوں (اس زمانہ میں صوبہ سرحد پنجاب میں شامل تھا) سیالکوٹ اور شاہ پور مختلف اضلاع کا بندوبست کرتے، پھر بندوبست اراضی کا سخت محنت طلب اور ذمہ داری کا کام تھا جو محمد بخش کو ملا ہوا تھا۔ اس زمانہ میں انگریزی حکومت کالے آدمی کو بڑی ذمہ داری مشکل ہی سے سپرد کرتی تھی۔ محمد بخش کا منصب ڈپٹی کلکٹر کے برابر تھا۔ کم عمری میں ۱۸۵۶ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ مشہور مصنف مولوی چراغ علی کے یہ والد تھے (۳۹)۔

☆......☆......☆

Marfat.com

باب:۶

سقوطِ دہلی تا خاتمۂ سلطنت (مسلسل)

ا۔ترجمہ کی انفرادی کوششیں

مغربی زبان اور مغربی علوم کے فاضل افراد میں سے بعض نے علمی کتابوں کے ترجمے، ملکی زبان میں کیے تھے۔تا کہ ان کے ہم وطن علوم سے واقف ہوں اور مستفید ہوں۔ یہ کام وہ اپنے انفرادی جذبہ سے کرتے تھے۔ایسے حضرات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

میر سید حسن علی:-

سید حسن علی کا ذکر سیاحوں کے زمرہ میں بھی آچکا ہے۔وہ ایک فاضل علم دوست انسان تھے۔ان کی علمی سرگرمی کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ہندوستان واپس آ کر انھوں نے مشہور انگریزی ادیب گولڈ اسمتھ (۱۷۲۸-۱۷۷۴) کے مشہور ناول Vicar of Wakefield کا اردو ترجمہ کیا اور اس کا نام ''دیہاتی پادری'' رکھا۔یہ ترجمہ کلکتہ میں ۱۸۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ادب کی یہ واحد کتاب ہے جس کا اس دور میں اردو میں ترجمہ ہوا۔انھوں نے متّی کی انجیل Gospel of Matthew کا بھی اردو میں ترجمہ کیا تھا۔انگریزی حکومت نے خوش ہو کر مترجم کو پچاس پونڈ کا انعام عطا کیا تھا۔

لیکن اس کی انگریز بیگم کراس ویت باربرا (Crosswaite Barbara) کا علمی کارنامہ ان سے زیادہ وقیع اور معروف ہے۔ان کی بیگم نے لکھنؤ میں مسلمانوں کی معاشرت، خانگی زندگی

Marfat.com

خاص طور پر ازدواجی تعلقات پر ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی۔ (Observation on the Muslims of India) اس کتاب میں لکھنؤ کے معاشرہ کی صحیح تصویر پیش کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تاریخی اہمیت ہے۔ یہ ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۸۳۴ء میں لندن سے شائع ہوئی (۱)۔

عبدالرحیم دہری:

اس دور کی ایک اہم شخصیت عبدالرحیم بن مصاحب علی گورکھپوری ہیں۔ دینی تعلیم کی تکمیل انھوں نے دہلی جا کر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے برادران سے کی تھی۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ ان کے ہم سبق تھے۔ ان کی مستقل سکونت کلکتہ میں تھی۔ ڈاکٹر مارٹن کلکتہ کی یورپین سوسائٹی میں ذوقِ علم کی وجہ سے ممتاز تھے۔ عبدالرحیم کے ان سے گہرے تعلقات تھے۔ ان کی صحبت میں ہی انھوں نے انگریزی اور لاطینی زبانیں سیکھیں تھیں۔ مزید برآں وہ ہندوستان کی بہت سی علاقائی زبانیں بھی جانتے تھے۔ ملّا شوستری صاحب تحفۂ عالم بیان کرتے ہیں:

> "اگر وہ پردے کے پیچھے سے تقریر کرتے تو لوگوں کو خالص انگریزی لہجہ کا گمان ہوتا تھا۔ ایک مجلس میں مختلف اقوام کے مسلمان جمع تھے۔ عبدالرحیم ان میں سے ہر ایک سے اس کی اپنی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔"

آغازِ کار میں وہ شاہزادہ بہرام شاہ نبیرہ سلطان ٹیپو کے اتالیق رہے۔ بعد میں وہ فورٹ ولیم کالج میں مدرس مقرر ہو گئے تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ سکون الشمس فی وسط العالم، سکون شمس کے اثبات میں اور قدیم ہیئت کے رد میں یہ رسالہ ہے۔

۲۔ انور المشرقیہ فی الاسرار المنطقیہ۔

۳۔ التابلقات التمثیلیہ الی الاسرار المنطقیہ۔

Marfat.com

۴۔ جامع العلوم: یہ کتاب جدید ریاضی اور علم ہیئت پر ہے۔ فورٹ ولیم پریس سے طبع ہوئی تھی۔
مولانا ابوالکلام آزاد کے پاس موجود تھی۔

۵۔ جرثقیل: یہ علم میکانیک کی کتاب ہے، اس کے مقدمہ میں رموزِ اوقاف Punctuation
بتائے گئے ہیں۔ ان کے استعمال کا مشورہ دیا ہے۔ رموزِ اوقاف کے سلسلہ میں یہ پہلی
کوشش ہے اردو زبان میں۔

۶۔ کارنامۂ حیدری: یہ کتاب سلطان ٹیپو کے حالات پر ہے۔ شاہزادہ اعظم شاہ کی فرمائش پر
لکھی گئی ہے۔

۷۔ صولتِ ضغیم: یہ سلطان ٹیپو کے حالات میں فارسی زبان کی ایک مثنوی ہے۔

۸۔ تاریخ خاندانِ میسور: یہ کتاب نثر میں ہے، اس میں تصاویر بھی تھیں۔ یہ مولانا ابوالکلام
آزاد کے پاس موجود تھی۔

۹۔ عربی زبان کی فضیلت: یہ فارسی زبان میں ایک رسالہ ہے۔

۱۰۔ عرض داشت در باب ضرورت ترویج زبان انگریزی و علوم فرنگ: یہ رسالہ مولانا ابوالکلام
آزاد کے پاس موجود تھا۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ کوئی بھی مورخ اس عرض داشت کا ذکر نہیں
کرتا۔

۱۱۔ تاریخ ہندوستان: مارشمین کلارک نے انگریزی زبان میں ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے۔
شہزادہ اعظم شاہ کی فرمائش پر عبدالرحیم نے اس کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جو بپٹسٹ
پریس سے خط نستعلیق میں شائع ہوا تھا۔

۱۲۔ شگرف نامہ: یہ جدید علومِ نجوم و ہیئت پر ایک رسالہ ہے۔ یہ رسالہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے کتب
خانہ میں موجود ہے۔

ان کے نام کے ساتھ دہری کا لفظ چسپاں ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا پر ان کا
ایمان نہیں تھا۔ شاہ اسماعیل شہید حج کے موقعہ پر ۱۸۲۲ء میں جب کلکتہ آئے تھے تو انھوں نے

Marfat.com

مولوی عبدالرحیم سے ملنے کی کوشش کی، مگر یہ ان سے نہیں ملے، طرح دے گئے، مگر مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ بلاشبہ مشہورِ عوام تو یہی بات ہے کہ وہ دہری تھے، مگر کسی تحریر سے ان کے الحاد کا ثبوت نہیں ملتا۔ وہ اپنی کتابوں کے آغاز میں اس طرح حمد و نعت لکھتے ہیں جس طرح عام مسلمان لکھتے ہیں۔ اس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ مغربی علوم میں توغل کی وجہ سے تمام مسلمانوں نے ان کو دہری مشہور کردیا ہوگا۔ واللہ عالم!! (۲)۔

عبدالرحیم ۱۷۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۸۵۰ء میں ان کی وفات ہوئی۔ رسالہ جامع، جامعہ ملیہ دہلی (اپریل ۱۹۷۵ء) میں ان کی خودنوشت شائع ہوچکی ہے (۲؟)۔

رتن سنگھ زخمی:

منشی رتن سنگھ نواب محمد علی خاں اودھ کے دربار میں وزیر مالیات تھے۔ ۱۸۴۲ء میں یہ مسلمان ہوگئے تھے، ۱۸۵۰ء میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کا خاندان تین پشتوں سے دربار اودھ سے وابستہ تھا۔ مختلف معزز عہدوں پر فائز رہا ہے۔

منشی رتن سنگھ بڑے علم دوست اور علم پرور آدمی تھے۔ عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت اور انگریزی زبانیں بخوبی جانتے تھے۔ شعر و ادب کے ساتھ علوم ریاضی، ہندسہ اور ہیئت کا بہت شوق تھا۔ اپنے وطن بریلی میں انھوں نے ایک عالی شان لائبریری قائم کر رکھی ہے۔ اس میں علوم کی نئی اصطلاحیں وضع کی تھیں۔ یہ ۱۸۵۶ء میں طبع ہوئی تھی۔ علم ہیئت کی اعلیٰ کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے (۳)۔

مسٹر ہاکنز:

مسٹر ہاکنز نے ۱۸۳۸ء میں بریلی میں ایک کالج قائم کیا تھا۔ اس کی فرمائش سے ریاضی کی تمام شاخوں پر مشتمل علوم کی ایک کتاب کا ترجمہ انگریزی سے فارسی میں کیا گیا۔ اس کا نام الخزانہ ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے، اصطلاحات کی تشریح اس میں بہت عمدہ طریقہ سے کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۴ء میں تیار کی گئی۔ ۱۲۲۸ھ میں کلکتہ سے طبع ہوئی (۴)۔

Marfat.com

مولانا غلام حسین جونپوری:

ابوالقاسم مولانا غلام حسین جونپوری کربلائی اس دور کی مشہور علمی شخصیت ہیں۔انھیں مغربی علوم خاص طور پر سائنس کے علوم سے خاص دلچسپی تھی، یہ تکاری واقع بہار کے علوم دوست راجہ سر جیت سنگھ سے وابستہ تھے۔ایک روز راجہ نے علوم عقلی کی نایابی کا شکوہ کیا۔اس سے متاثر ہو کر مولانا غلام حسین نے ایک ضخیم کتاب جامع بہادر خانی لکھی۔اس کو ریاضیات کا دائرہ معارف کہنا صحیح ہوگا۔علم الہندسہ، علم الابصار، علم المناظر، علم الحساب، الجبر و مقابلہ، علم ہیئت، علم آلات رصد یہ وقواعد رصد وغیرہ بیسیوں اصولی وفروعی مسائل اس کتاب میں لکھے ہیں۔راجہ کے خطاب بہادر خان کی مناسبت سے ان کا نام جامع بہادر خانی رکھا۔یہ کتاب لمبی تقطیع کے ۱۴۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء شہنشاہ اکبر ثانی کے دور میں مکمل ہوئی ہے۔مصنف جابجا قدیم و جدید تحقیق یورپ کا موازنہ کرتا جاتا ہے۔اس کا واحد نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔غالباً یہ اصلی نسخہ ہے(۵)۔

مولوی احمد علی:

مولوی احمد علی گوپامئو کے باشندے تھے، دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد مغربی علوم سے دلچسپی پیدا ہوئی، اور پھر اس کی بھی تحصیل کی، ان کی یادگار ایک رسالہ ''در علم منجنیق'' فارسی زبان میں ہے۔میکانیت کے لیے انھوں نے منجنیق کا لفظ استعمال کیا ہے۔اس میں فنی اصطلاحات کی اچھی طرح سے تشریح کی ہے(۶)۔

مرزا محمد جان:

مرزا محمد جان انگریزی بخوبی جانتے تھے۔پہلے استاد تھے، پھر انگریزی دفتر میں منشی ہو گئے۔انھوں نے بعض انگریزی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا(۷)۔

نواب امام الدین:

نواب امام الدین انگریزی فوج میں ملازم تھے۔انھوں نے جنگ کابل ۱۸۳۹ء اور

Marfat.com

دوسری جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ کچھ عرصہ وہ کشمیر کے گورنر بھی رہ چکے تھے۔ میجر ایڈورڈ کی کتاب A year in the Punjab کا انھوں نے اردو میں ترجمہ کیا ہے (۸)۔

خواجہ فریدالدین:

خواجہ فریدالدین دہلوی، سرسید احمد خاں کے نانا تھے۔ وہ ۱۷۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی ساری تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی۔ ۱۷۹۷ء میں وہ انگریزی حکومت کے ملازم ہو گئے، بہت ساری مہموں میں کمپنی کی حکومت، خواجہ فریدالدین کو استعمال کرتی تھی۔ ۱۸۲۲ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ ۱۸۲۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بزمانہ قیام لکھنؤ انھوں نے تفضل حسین خاں کاشمیری سے مغربی زبان اور مغربی علوم کی تحصیل کی تھی۔ فلکیات اور ہندسہ سے انھیں خاص طور پر دلچسپی تھی۔ پرکار کے استعمال پر انھوں نے ایک رسالہ ''فوائد الافکار فی اعمال الفرجار'' فارسی زبان میں تحریر کیا تھا (۹)۔

۲۔ طب جدید کے تراجم

مغربی علوم میں سے جس علم کی جانب اس دور کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ توجہ دی وہ طب جدید ہے۔ مسلمانوں نے طب جدید کا بڑے شوق و ذوق سے مطالعہ کیا اور پھر بعض اہم کتابوں کا ترجمہ کر کے اہل وطن کی خدمت انجام دی۔ ایسے بیشتر حضرات کا تعلق قدیم طبیب خاندانوں سے تھا۔ چند کا تذکرہ ذیل میں کرتے ہیں:

شیخ حفیظ الدین:

شیخ حفیظ الدین فورٹ ولیم کالج میں استاد تھے۔ جان بٹلر کی فرمائش پر انھوں نے طب جراحت کے موضوع پر ایک کتاب کا ترجمہ ۱۸۲۱ء میں کیا تھا۔ یہ کتاب مبتدیوں کے لیے ہے۔ فورٹ ولیم کالج سے طبع ہوئی تھی۔ مصنف نے اردو کو اڑدو (ڑ۔ کذا) لکھا ہے (۱۰)۔

ڈاکٹر فضل علی علوی:

ڈاکٹر فضل علی کے والد کا نام سید شاکر علی ولد سید کرم علی تھا۔ وہ دہلی کے باشندے

Marfat.com

تھے۔ان کے بزرگ مغل شاہزادوں کی تعلیم وتربیت پر مامور رہتے تھے۔ان کے ساتھ کوئی ایسی صورت حال پیش آئی کہ یہ ۹ سال کی عمر میں (۱۸۱۸ء-۱۸۱۹ء) دہلی سے نکل کھڑے ہوئے اور کلکتہ جا پہنچے۔وہاں پہنچ کر خیال آیا کہ آوارگی سے بہتر ہے کہ کوئی ہنر ہاتھ میں ہو۔اس کے بعد سرکاری شفاخانہ کے نگران ڈاکٹر کلارک پاٹن کی شاگردی اختیار کی۔ڈاکٹر بے اولاد تھا۔اس نے نوعمر شریف زادے کو اپنا بیٹا بنالیا۔اسے اپنے گھر رکھا۔اسے طب کی تعلیم دی۔اسے جراحی کا فن سکھایا اور اس کے ہاتھ سے عملیے (آپریشن) کرائے۔

۱۸۳۰ء میں ڈاکٹر پاٹن کا انتقال ہوگیا۔فضل علی نے دوسال مزید وہاں گزارے پھر وہ لکھنؤ چلے آئے۔ان کی بدبختی وہاں وہ ایک عشق کے چکر میں پھنس گئے۔ساری کمائی سارا اندوختہ برباد کر بیٹھے۔حالات کے ہاتھوں مجبور ہوکر پھر طب کی طرف لوٹے۔پھر عملیے (آپریشن) کرنے شروع کیے۔اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔پھر حالات سدھر گئے۔

۱۸۴۴ء میں انھوں نے ''مفید الاجسام'' کتاب لکھی جس میں اپنے تجربات متعلق عملِ جراحت بیان کیے۔یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع مرتضوی سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی۔پھر بار بار اس کی اشاعت ہوتی رہی، جو اس کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔کتاب کے دیباچے میں مذکورہ بالا حالات مصنف نے خود درج کیے ہیں۔۱۸۸۰ء میں ڈاکٹر فضل علی کا انتقال ہوگیا(۱۱)۔یہ کتاب حکیم محمود احمد برکاتی (کراچی) کے کتب خانے میں موجود ہے۔

حکیم نصیر الدین:

حکیم نصیر الدین نے ڈاکٹر جان مواٹ کی انگریزی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا۔اس کا نام ''معین الجراحین'' ہے۔یہ کتاب پہلی مرتبہ بپ ٹسٹ پریس کلکتہ سے ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی تھی (۱۲)۔

حکیم منشی حسینی:

حکیم منشی حسینی نے ڈاکٹری کی مشہور کتاب ''میٹیریا میڈیکا'' کا ترجمہ کیا اور اس کا

Marfat.com

خلاصہ تیار کیا۔ اس کا نام ہے ''خلاصۂ طب ومیٹیر یا میڈیکا'' یہ کتاب ۱۸۵۳ء میں سکندرہ (نزد آگرہ) کے یتیموں کے چھاپے خانے سے طبع ہوئی تھی۔

ایلوپیتھی طب کے ساتھ ساتھ یہاں کے اطباء نے ہومیوپیتھی طب میں بھی دلچسپی لی ہے۔ بعض لوگوں نے ہومیوپیتھی طب کا مطالعہ کیا اور اس فن پر کتابیں لکھیں (۱۳)۔

سید زین العابدین:

سید زید العابدین کلکتہ میں مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز تھے اس زمانہ میں ان کو طب ہومیوپیتھی کا شوق لگ گیا۔ انھوں نے اس فن کی کتابیں حاصل کیں اور ان کا مطالعہ کیا۔ پھر ۱۸۵۲ء میں انھوں نے ہومیوپیتھی پر ایک رسالہ فارسی زبان میں لکھا (۱۴)۔

سید عنایت حسین:

سید عنایت حسین پٹنہ عظیم آباد کے رئیس تھے۔ ان کو ہومیوپیتھی کا شوق ہو گیا۔ پھر انھوں نے اس کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور ایک کتاب اس فن پر لکھی (۱۵)۔

۳۔ ترجمہ کی منظّم کوششیں

اس دور میں مغربی علوم کو اردو زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت کا احساس عام ہو گیا تھا۔ اس غرض کے لیے اجتماعی جدوجہد اور منظّم کوششیں کی گئیں۔ ذیل میں ایسی انجمنوں کا تعارف کرایا جاتا ہے:

ا۔ تعلیمی کمیٹی صوبہ بمبئی:

صوبہ بمبئی کے گورنر الفنسٹن کی رائے شروع سے یہ تھی کہ ہندوستانیوں کی تعلیم ہندوستانی زبان میں ہونی چاہیے۔ غیر ملکی زبان کبھی ملک زبان کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ یہی چارلز مٹکاف کی رائے تھی۔ وہ اس معاملہ میں مرکزی حکومت کلکتہ کے ہم نوا نہیں تھے۔ الفنسٹن کی رہنمائی میں تعلیمی کمیٹی نے چند کتابوں کے اردو ترجمے کیے ہیں (۱۶)۔

تاریخ انگلستان کا ترجمہ ڈی کوسٹا De Costa پرتگالی نے اردو زبان میں کیا تھا۔ یہ

Marfat.com

کتاب ٹائپ میں ۱۸۱۴ء میں بمبئی سے شائع ہوئی تھی۔ پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کے کتب خانہ (کراچی) میں راقم نے اس کو دیکھا تھا۔ اس کمیٹی کی دوسری کتابوں کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

۲۔ سررشتہ انشاء وترجمہ برائے کتب ہیئت وسائنس لکھنؤ:

مغربی علوم وفنون کو اردو زبان میں منتقل کرنے کی منظم کوشش اس دور میں نوابان اودھ نے کی اور لکھنؤ میں ہوئی۔ اس ضمن میں نواب غازی الدین حیدر (۱۸۱۹-۱۸۲۷ء) اور نصیر الدین حیدر (۱۸۲۷-۱۸۳۷ء) کے زمانہ میں خاص طور پر کوشش کی گئی۔ اس زمانہ میں لکھنؤ میں ٹائپ اور لیتھو کے مطابع قائم ہوئے۔ نواب نصیر الدین حیدر کے عہد میں منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں وزیر اعظم اودھ کی تحریک پر مشاہداتِ فلک کے لیے ایک رصدگاہ (Observatory) قائم کی گئی۔ اس کی معاونت کے لیے ایک ادارہ ''سررشتہ انشاء وترجمہ برائے کتب ہیئت وسائنس'' بھی قائم کیا گیا۔ (۱۲۴۷ھ/۱۸۳۴ء) اس سررشتہ کے منتظم اعلیٰ سید کمال الدین حیدر حسینی لکھنوی کو مقرر کیا گیا۔ (۱۸۳۴-۱۸۵۴ء) تک کمال الدین اس ادارہ کو بخوبی چلاتے رہے۔ ایک انگریز اہل علم بھی ان کی معاونت کو ادارہ سے وابستہ تھا (۱۷)۔

سررشتہ انشاء وترجمہ کی جانب سے ۱۹ رسالے شائع ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر نایاب ہیں۔ مولوی کمال الدین حیدرآباد دکن کی سائنسی ترجمہ کی کوششوں سے متاثر تھے۔ سوال جواب کا اسلوب بھی وہی اختیار کیا تھا۔

۱۔ رسالہ فی الہیۃ: یہ کتاب جان برنکلی کی انگریزی کتاب Of Plane Element کا اردو ترجمہ ہے جو سید کمال الدین حیدر نے کیا تھا۔ سلطان واجد علی شاہ کے حکم سے یہ مطبع سلطانی سے طبع ہوا تھا۔ ۱۸۷۴ء

۲۔ رسالہ ہیئت، از ڈاکٹر ولسن: ترجمہ کمال الدین حیدر، مطبع العلوم، دہلی ۱۸۵۰ء

۳۔ رسالہ مقناطیس

Marfat.com

۴۔ رسالہ علم طبعیات

۵۔ رسالہ فی الآلات الرصدیہ

۶۔ رسالہ فی علم کیمیاء از پارکنس

۷۔ رسالہ فی علم المناظر

۸۔ رسالہ فی علم الماء

۹۔ رسالہ بحر حکمت مطبع مسیحائی لکھنو ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۴۷ء

۱۰۔ رسالہ فی علم ھوا

۱۱۔ رسالہ فی علم الحرارہ

۱۲۔ مفتاح الافلاک ۱۸۳۴ء میں کلکتہ سے شائع ہوا

۱۳۔ مفتاح الافلاک فرگوسن کی کتاب کا ترجمہ

۱۴۔ مترجم عبدالسلام لکھنوی طبع ۱۲۴۹ھ-۱۸۴۳ء

مقاصد العلوم: یہ لارڈ برودہم کی کتاب کا ترجمہ ہے جو کمال الدین حیدر نے کیا۔ A Treatise on the Object Advantages and Pleasure of Science جو کلکتہ اسکول بک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا اور بپٹسٹ مشن پریس سرکولر روڈ کلکتہ سے ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا۔

۱۵۔ قوانین دستور العمل انگلشیہ۔ اردو فارسی

۱۶۔ تواریخ مملکت اودھ۔ اردو، فارسی، انگریزی

کمال الدین حیدر لکھنوی نے ایک رصدگاہ بھی قائم کی تھی۔ وہ سیارگان کی رفتار کا جائزہ لے کر ایک نئی زیچ تیار کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے بھرپور تیاری کر رہے تھے۔ مولوی محمد اسماعیل لندنی جب سفر انگلستان پر گئے تو ان کے ذمہ یہ فریضہ بھی لگایا گیا تھا کہ وہاں سے فن ہیئت کی کتابیں لائیں اور ماہر ہیئت داں کو ساتھ لائیں۔ مگر وہ اس مقصد میں ناکام ہوئے۔

Marfat.com

مولوی کمال الدین حیدر تن تنہا یہ کام انجام دے رہے تھے۔ دوسرا کوئی شخص نہ تھا جو ان کاموں کو سنبھالتا اور ۱۸۴۸ء میں ان کا انتقال ہو جانے کے بعد سررشتہ انشاء وترجمہ اور رصد گاہ دونوں کام بند ہو گئے (۱۸)۔

۳۔ مقامی زبان میں ترجمہ کی انجمن، دہلی کالج (۱۸۴۱-۱۸۵۷ء):

دہلی کالج مسلمانوں کی قدیم درس گاہ تھی جو ۱۷۹۲ء سے چلی آرہی تھی۔ پھر نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں بہادر وزیر بادشاہ اودھ نے ۱۸۱۹ء میں ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ کی رقم تعلیمی مقاصد کے لیے اس کالج کے حق میں وقف کی۔ ۱۲۲۴ھ میں تعلیمی کمیٹی نے اس کا نظم سنبھال لیا۔ ۱۸۲۸ء میں چارلز مٹکاف نے اس درسگاہ میں انگریزی جماعت کا اضافہ کیا، یہاں کی تدریسی زبان اردو تھی۔ سائنس اور ریاضی کے تمام مضامین اردو میں پڑھائے جاتے تھے۔ ۱۸۴۱ء میں تعلیمی کمیٹی نے درسی کتابوں کی تیاری کے لیے ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی Vernacular Translation Society دہلی قائم کی۔ سوسائٹی کا پہلا سیکرٹری فیلیکس ایم بوترو (Felex M Boutros) فرانسیسی تھا جو کالج کا پرنسپل (۱۸۴۰-۱۸۴۱ء) تھا۔ اس کے بعد دوسرا پرنسپل اور سیکرٹری ایک جرمن الائے اسپرنگر (Aloi Sprenger) (۱۸۴۵-۱۸۴۷ء) مقرر ہوا۔ سوسائٹی چندہ سے چلتی تھی۔ معطی حضرات کی فہرست میں ۱۵۱ افراد تھے۔ چندہ دینے والوں میں ہندوستان کی اہم شخصیتیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

نواب سراج الملک بہادر	حیدرآباد
عمدہ لامراء	حیدرآباد
شاہزادگان	حیدرآباد
دوارکا ناتھ ٹیگور	کلکتہ وغیرہ

یہ پہلی انجمن تھی جس نے ترجمہ کا کام باقاعدہ طریقے سے کیا۔ ترجمے کے لیے اصول وضوابط مقرر کیے۔ بعض تراجم کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

۱۔ اصول مثلث وتراشہ ہائے مخروطی وعلم ہندسہ، ماسٹر رام چندر،۱۸۴۴ء

۲۔ طبیعیات ترجمہ ارناٹ ۱۸۴۷ء

۳۔ رسالہ جراحی ۱۸۴۷ء

۴۔ اصولِ قواعد مائعات۔ پنڈت اجودھیا پرشاد ۱۸۵۰ء

۵۔ جبر ومقابلہ مولوی کریم بخش ۱۸۵۲ء

۶۔ ہندسہ بالجبر ماسٹر رام چندر ۱۸۵۲ء

۷۔ رسالہ کیمسٹری ترجمہ پارکر

۸۔ استعمال آلات ریاضی

۹۔ میکانیات، لارڈز

۱۰۔ حرکیات وسکونیات

۱۱۔ مبادیات تفرقی احصاء وتکمیلی احصاء (احصاءCalculus)

۱۲۔ نیچرل فلاسفی (۱۹)۔

کل ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد ۱۳۸ ہوتی ہے۔ (بحوالہ مرحوم دہلی کالج)

۴۔ انگریزی زبان میں صاحبانِ تصنیف

بعض فضلاء نے انگریزی زبان کی تحصیل اس پیمانے پر کی تھی کہ وہ اس میں کتاب لکھنے پر بھی قادر تھے۔ بعض اصحاب نے انگریزی زبان میں اپنی نگارشات پیش کیں، ان کی یادگار انگریزی کتابیں ہیں۔ ذیل میں ایسے اصحاب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مرزا قلی خاں کشمیری:

مرزا موہن لعل کاشمیری اپنے دور کی مشہور سیاسی شخصیت تھے۔ یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا اسلامی نام مرزا قلی خاں کشمیری تھا۔ یہ دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ انگریزی اور فارسی زبانوں میں تحریر وتقریر پر انھیں پوری قدرت حاصل تھی۔

Marfat.com

۱۸۰۳ء میں دارالسلطنت دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد انگریزی حکومت کی سرحد پنجاب میں لدھیانہ تک وسیع ہوگئی تھی۔ پنجاب اور شمالی اسلامی ملکوں کے حالات کے تجسس کے لیے انگریز سیاح جاتے رہتے تھے۔ ان کو ایک فارسی داں منشی کی ضرورت رہتی تھی، انھی مقاصد کے لیے کپتان برن (C. Burn) نے پنجاب، خراسان اور ایران تک کا سفر اختیار کیا تھا۔ اس کی نظر انتخاب مرزا قلی خاں کشمیری پر پڑی۔ وہ اس کام کے لیے بہت ہی موزوں تھے۔ مرزا کی عمر اس وقت ۲۳ سال سے زیادہ نہیں تھی، ان کا یہ سفر کئی سال تک جاری رہا۔ واپس آنے پر مرزا نے حالاتِ سفر پر مشتمل ایک کتاب بصورت روزنامچہ مرتب کی۔ یہ روزنامچہ انگریزی زبان میں ہے۔

The Journal of a Tour Through the Punjab, Afganistan Turkistan, Khurasan and Part of Persia.

اہمیت کے پیش نظر مرزا کی یہ کتاب بڑی جلدی کلکتہ میں طبع ہوگئی۔ ۱۸۳۴ء میں مرزا نے اور بھی سیاسی خدمات انجام دیں۔ ان کا انتقال ۱۸۷۰ء میں ہوا ہے (۲۰)۔

لطف اللہ سورتی:

لطف اللہ ۱۲۱۷-۱۸۰۲ء میں نگر مالوہ (وسط ہند) میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق دھارا نگر کے مشائخ خاندان سے تھا۔ ۱۸۱۷ء میں راجہ ہندو رائے کے طبیب خاص حکیم رحمت اللہ بیگ خاں کے ہم زلف دہلی آئے۔ ان کو اردو فارسی اور مرہٹی زبانیں سکھانے کے لیے لطف اللہ ان کے ساتھ دہلی آئے۔ دہلی آکر انگریزی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر گلکرسٹ کی کتابوں سے اور اپنے ذاتی شوق اور محنت سے انھوں نے انگریزی زبان سیکھ لی۔ ان کا معمول تھا کہ روزانہ دس الفاظ یاد کرتے تھے۔ آٹھ سال کی مدت میں انگریزی زبان کے ماہر بن گئے۔

۱۸۴۴ء میں میر جعفر علی خاں نواب سورت پینشن کے مسائل حل کرنے کے لیے لندن روانہ ہوئے۔ تو انھوں نے لطف اللہ کو انگریزی داں منشی کی حیثیت سے اپنا ہم سفر بنالیا۔

Marfat.com

اس سفر کی روئیداد لطف اللہ نے ''لطف کی بات یہ ہے کہ'' انگریزی زبان میں مرتب کی ہے۔ اس میں اپنی ذاتی زندگی کی روئیداد بھی شامل کر لی ہے۔ اس کا عنوان ہے۔

An Autobiography of Lutfullah a Mohammedan Gentleman

اس کتاب کو مصنف نے کرنل سائیکس (Col. Sykes) کے نام معنون کیا ہے۔ جس کی صحبت میں مصنف نے زندگی کا کافی حصہ گزارا۔ سائیکس کے ساتھ یہ سندھ میں آئے تھے۔ اپنے سفرنامہ میں شکارپور کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس کے مشاہدات بڑے عجیب ہیں۔ لندن سے یہ کتاب ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی (۲۱) مگر گارساں دتاسی کہتا ہے کہ حذف و ترمیم کے بعد یہ کتاب لندن میں ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی (۲۲)۔

میر شہامت علی:

میر شہامت علی بھی دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ انگریزی تحریر و تقریر میں زبردست قدرت رکھتے تھے۔ اب تک جن اصحابِ قلم کا تذکرہ ہوا ہے، ان کی ایک کتاب تک رسائی ہوئی ہے۔ لیکن میر شہامت علی وہ شخص ہیں جنھوں نے انگریزی زبان میں ایک سے زائد کتب لکھی ہیں۔ ان کی کتابیں مطبوعہ ہیں۔ میر شہامت علی پہلے ریاست اندور میں میر منشی (Chief Secretary) کے عہدہ پر فائز رہے۔ پھر پنجاب ریزیڈنسی میں میر منشی مقرر ہوئے۔ ان کی درج ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں۔

1- Affairs of India

2- The Sikh and Afghan War, London 1847.

3- History of Bahawalpur, London 1848.

4- The Support of Faith

مولوی محمد اسماعیل شہید کی کتاب تقویت الایمان کا یہ ترجمہ ہے۔ یہ کتاب لندن سے

Marfat.com

۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی۔ خواجہ عبدالرشید نے لکھا ہے کہ تقویت الایمان کا میر صاحب کا ترجمہ سب سے اول رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کے رسالہ کی اشاعت ۱۸۲۴ء میں شائع ہوا تھا (۲۴)۔

5- Notes and Opinion of a Native on the Present State of India.

ہندوستانی سیاست پر ناقدانہ انداز میں لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے جو کسی ہندوستانی مسلمان کی قلم سے نکلی۔ سرسید احمد خاں کی کتاب اسباب بغاوت ہند اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں لکھی گئی۔ لندن میں اس کو شائع کیا گیا اور ہندوستان میں اس کو مخفی رکھا گیا، مگر یہ کتاب لندن سے ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی (۲۵)۔

افسوس میر شہامت علی کے حالات زیادہ معلوم نہ ہو سکے۔

منشی محمد عظیم:

یہ اصل باشندے دہلی کے تھے۔ دہلی کالج سے انھوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی۔ پنجاب میں انگریزی غلبہ ہو جانے کے بعد ۱۸۴۸ء میں وہ لاہور آ گئے تھے۔ یہاں آ کر انھوں نے انگریزی صحافت میں قدم رکھا اور اخبار Laho، Chronicle جاری کیا۔ اس زمانہ میں مقامی (Native) لوگوں پر کچھ پابندیاں عائد تھیں۔ کوئی ہندوستانی انگریزی اخبار کا مدیر نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی ہندوستانی اسکول کا ہیڈ ماسٹر نہیں بن سکتا تھا۔ البتہ ہندوستانی کرسچن ان پابندیوں سے مستثنیٰ تھے۔ اس لیے عام طور پر اخبار کے مدیر کی جگہ کسی کرسچن کا نام لکھا جاتا تھا۔ عملاً سارا کام دوسرا کوئی کرتا تھا۔ اس وجہ سے لاہور کرانیکل پر بھی مدیر کی حیثیت سے کسی دوسرے کا نام تھا۔ اگرچہ کرتا دھرتا سب کچھ یہی تھے۔ یہ پہلے مسلمان صحافی ہیں جنھوں نے انگریزی اخبار نکالا۔ عبداللطیف ان کے فرزند تھے جنھوں نے لاہور کی تاریخ بزبان انگریزی لکھی ہے (۲۶)۔

Marfat.com

سید عبداللہ:

سید عبداللہ کا تذکرہ انگریزی دانوں کے زمرے میں ہو چکا ہے۔ ان کی انگریزی زبان میں تحریر بھی ہے۔ یہ جنرل لارنس کے ساتھ رہتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں لارنس قتل ہو گیا۔ اس کا انھیں بے حد صدمہ ہوا۔ اس کی یاد میں انھوں نے انگریزی میں ایک مرثیہ لکھا اور پھر اس کا اردو میں ترجمہ کیا (۲۷)۔

☆......☆......☆

Marfat.com

باب:۷

خاتمۂ سلطنت تا قیام علی گڑھ کالج

۱۸۵۷-۱۸۷۷

۱۔حکومتی پس منظر

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء جس کو انگریز مورخ ''غدر'' کا نام دیتے ہیں اور غیر اہم واقعہ بنا کر پیش کرتے ہیں اس کی سنگینی کا جدید دور کے مسلمانوں کو کوئی اندازہ نہیں۔ درحقیقت وہ ایک قیامت تھی جو ہندوستانی مسلمانوں کے سر سے گزر گئی۔ جنگ کی آڑ میں حکومت کو مسلمانوں سے کھل کر انتقام لینے کا موقع مل گیا۔ مسلمانوں کو کمزور کرنے کی جن پالیسیوں پر عمل ہو رہا تھا، اب براہِ راست مسلمانوں کو نابود کرنے کا موقعہ مل گیا۔ بقول بہادر شاہ ظفر:

جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ بھی قابلِ دار ہے

جنگ میں جو مارے گئے وہ تو مارے گئے، سات ہزار معزز افراد کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا (قیصر التواریخ)۔ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ تین ماہ تک مردہ گاڑیاں (ایمبولینس) طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک گھومتی پھرتی تھیں، لاشوں کو درختوں سے اتارتی تھیں۔ چھ ہزار کے قریب افراد کو اس طرح اتارا گیا(۱)۔

پھر ہزاروں علماء، فضلاء، فقہاء، شرفاء، امراء و نوابین کو عمر قید کی سزا سنا کر کالے پانی یعنی جزائر انڈمان میں بھیج دیا گیا۔ بقول سر سید احمد خاں:

Marfat.com

غدر کیا ہوا، ہندوؤں نے شروع کیا، مسلمان دل جلے تھے وہ بیچ میں
کود پڑے۔ ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہو گئے۔ مسلمانوں کے
تمام خاندان تباہ و برباد ہو گئے (۲)۔

افراد ہی سے انتقام لینے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مسلمانوں کی عظمت کے آثار مٹانے کا حکم دیا گیا۔ جامع مسجد شاہجہانی دہلی کو آرچ بشپ کے لیے کیتھڈرل بنانے کی تجویز عام ہوئی۔ مگر لندن کی مرکزی حکومت نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اسلامی فن تعمیر کے نادر نمونے ''تاج محل'' کو توڑ کر نیلام کرنے کا فیصلہ ہو گیا تھا وہ تو ایک سیکرٹری، آثارِ قدیمہ کا شوقین تھا، جو مخالفت پر ڈٹ گیا اور عمل نہ ہونے دیا (۳)۔

انتقام پھر بھی دوسرے انداز میں جاری رہا۔

۱۔ جہاں تک ہو سکا اردو تعلیم کے ادارے بند کر دیے گئے ہیلی بری کالج لندن (جہاں اردو کی تعلیم ان انگریزوں کو دی جاتی تھی جو ہندوستان آنے والے تھے) کو بند کر دیا (۴)۔

۲۔ ہندوستان میں دہلی کالج، آگرہ کالج، بریلی کالج، جہاں اردو ذریعہ تعلیم تھی وہ سب بند کر دیے تھے۔

۳۔ ۱۸۶۰ء میں صدر عدالت کا نام ہائی کورٹ کر دیا اور عدالتی کاروائی سے اردو کو بے دخل کر دیا۔

۴۔ قاضی ایکٹ ۱۸۶۴ء کے بعد اب کسی مقدمہ میں مسلمان قاضی کی ضرورت نہیں رہی۔ مسلمان وکلاء اونگھتے بیٹھے رہتے۔ بقول سرسید ان کے منہ پر مکھیاں بھنکتی رہتی تھیں (۵)۔

۱۸۴۴ء میں لارڈ ہارڈنگ نے حکم نامہ جاری کیا کہ آئندہ سے عربی فارسی جاننے والا کوئی شخص سرکاری ملازمت میں نہیں لیا جائے گا۔ ۱۸۶۶ء میں یوپی کے مسلمانوں نے حکومت کو درخواست دی کہ کلکتہ یونیورسٹی سے مشرقی علوم کی سندات بھی اسی طرح جاری کی جائیں جس طرح مغربی علوم کی جاری کی جاتی ہیں تو حکومت نے انکار کر دیا (۶)۔

Marfat.com

۱۸٦۷ء میں ڈاکٹر لائٹ نر (ہنگیرین) نے لاہور میں اورینٹل کالج قائم کیا۔ اس میں اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانا چاہا مگر حکومت نے انکار کر دیا (۷)۔

۱۸۷۱ء تک عربی، فارسی اور اردو بطور مضمون میٹرک کے نصاب میں شامل نہیں تھیں۔

اس منتقمانہ کارروائی کے بعد وہ خاندان نابود ہوئے جن کا تعلق علم و فضل اور تعلیم و تعلّم سے تھا۔ لوگوں کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ لوگ نان شبینہ کے محتاج تھے۔ اس لیے آزادانہ طور پر علوم مغربی کی تحصیل کی جو رَو ایک صدی سے مسلمانوں میں بڑھ رہی تھی، وہ مدھم پڑ گئی۔ جن صوبوں میں قتل و غارت گری کا بازار زیادہ گرم نہ ہوا تھا وہاں البتہ کچھ لوگوں نے مطالعہ کی جانب پیش قدمی دکھائی۔ مثلاً بنگال، بمبئی، بہار وغیرہ۔ ہندوستان کے تہذیبی خطہ پٹنہ عظیم آباد تا دہلی شاہجہان آباد پر تو مردنی چھائی ہوئی تھی۔

یہاں ایک عجیب بات نظر آتی ہے۔ ۱۸۵۷ء سے قبل مغربی علوم کے فاضلین اپنی تہذیب و روایات سے پوری طرح منسلک نظر آتے ہیں جب کہ ۱۸۵۷ء کے بعد مغربی علوم پڑھنے والے اپنی تہذیب و روایات سے لاتعلق بیگانے نظر آتے ہیں۔ جوں جوں مغربی تعلیم میں آگے بڑھے، اپنی تہذیب سے بیگانے ہوتے چلے گئے۔ دوسری اہم بات یہ نظر آتی ہے کہ سابق دور میں مغربی سائنس اور فنون سیکھنے کی طرف رجحان تھا۔ جدید دور میں زبان اور ادب سکھایا جاتا ہے۔

۲۔ دیارِ مغرب کے سیاح

سر سید احمد خاں:

اس عرصہ میں سیاحت کے میدان میں صرف ایک نام سر سید احمد خاں کا ملتا ہے۔ سر سید احمد خاں اس دور کی سیاسی زندگی میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ قد آور شخصیت تھے۔ تعلیمی میدان میں ان کے بڑے کارنامے ہیں۔ سر سید احمد خاں کی ایک مدت سے تمنا تھی کہ انگلستان کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کا مشاہدہ کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں کی تعلیمی حالت اور تعلیمی

Marfat.com

اداروں کا مشاہدہ کریں۔ فوری وجہ یہ تھی کہ وہ ولیم میور کی کتاب سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینے کے لیے مواد کی تلاش میں انگلستان کے کتب خانوں سے استفادہ کرنا چاہتے تھے تقریب کچھ اس طرح ہوئی کہ ان کے صاحبزادے سید محمود کو اعلیٰ تعلیم کے لیے وظیفہ ملا۔ اس لیے یہ ان کے ہمراہ انگلستان روانہ ہو گئے۔ اپریل ۱۸۶۹ء کو روانہ ہوئے اور ایک سال پانچ ماہ قیام کرنے کے بعد ستمبر ۱۸۷۰ء کو واپس پہنچ گئے۔

لندن کی اعلیٰ سوسائٹی میں ان کی بڑی قدر منزلت ہوئی۔ ان کو انعام واکرام سے نوازا گیا۔ وہاں کی جامعات کا بھی انھوں نے اچھی طرح مطالعہ کیا۔ واپس آ کر حالات سفر پر ایک کتاب ترتیب دی۔ ''مسافران لندن'' اس کا نام رکھا گیا۔ یہ سفرنامہ دوسری مرتبہ ۱۹۶۱ء میں لاہور میں شائع ہوا ہے (۸)۔

اس دور کے کسی اور سیاح کا نام ہمیں معلوم نہ ہو سکا۔

۳۔ مغربی زبان اور علوم کے فاضل

بدرالدین طیب جی:

بدرالدین جی، سلیمانی بوہرہ خاندان کے فرد تھے اور بمبئی کے رہنے والے تھے۔ ان کی برادری تجارت پیشہ ہے۔ ان کی پیدائش ۱۰/اکتوبر ۱۸۴۴ء کو ہوئی۔ الفنسٹن انسٹی ٹیوشن بمبئی میں انھوں نے جدید تعلیم حاصل کی۔ جہاں کل تین مسلمان طالب علم ان کے رفیق تھے۔ میٹریکولیشن کرنے کے بعد قانون کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لیے یہ لندن روانہ ہو گئے۔ اس زمانے میں میٹری کولیٹ کو بیرسٹری کورس میں داخلہ مل جاتا تھا۔ گاندھی اور جناح بھی میٹرک کر کے لندن گئے تھے سات سال وہاں قیام کر کے بیرسٹر بن کر واطن واپس آئے۔ وہ پہلے مسلمان تھے جنھوں نے یہ ڈگری حاصل کی، ۳۰اپریل ۱۸۶۷ء کو انھوں نے عدالت عالیہ بمبئی میں وکالت کا آغاز کر دیا۔ ان کی وفات ۱۹۰۶ء میں لندن میں ہوئی۔ وکالت کے ساتھ انھوں نے سیاست میں بھی حصہ لیا، ۱۸۸۷ء میں آل انڈیا کانگریس کے تیسرے سالانہ اجلاس [منعقدہ مدراس] کی صدارت کی۔ مگر انھوں

Marfat.com

نے مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں سب سے زیادہ کوشش کی۔ انھوں نے انجمن اسلام بمبئی قائم کی۔ صدر، قمر الدین طیب جی، نائب صدر، ناخدا محمد علی اور سیکرٹری بدر الدین طیب جی بنے۔ اس کے تحت محلّہ وار مکتبوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا۔ جہاں قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم کا انتظام تھا۔ بمبئی میں ۱۱۱ مکاتب چلتے تھے (۹)۔

قمر الدین طیب جی:

یہ بدر الدین کے بھائی تھے، بمبئی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ بھی اپنے بھائی کے ہمراہ لندن چلے گئے تھے۔ وہاں سے قانون کی ڈگری لے کر آئے، بیرسٹر بن کر آئے۔ یہاں آکر یہ Solicitor مقرر ہوئے۔ انجمن تعلیم الاسلام کے کاموں میں یہ بھائی کے دست راست تھے (۱۰)۔

سید زین الدین بلگرامی:

سید زین الدین، سید کرم حسین خاں بہادر کے فرزند تھے، جو نصیر الدین حیدر والی اودھ کی جانب سے لارڈ ولیم بینٹنگ (۱۸۳۵-۱۸۲۸ء) کے دربار میں سفیر تھے۔ سید زین الدین نے کالج آف اورینٹل لرننگ کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔ اس کالج کو وارن ہیسٹنگز نے قائم کیا۔ وہاں انھوں نے عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں کمال حاصل کیا۔ وہ کمپنی کی حکومت میں ملازم ہو گئے۔ مختلف عہدوں پر ۳۵ سال ۱۸۴۰ء سے ۱۸۷۵ء فائز رہنے کے بعد ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ یہ بڑے سے بڑا عہدہ تھا جو کسی ہندوستانی کو دیا جا سکتا تھا۔ سبکدوشی کے بعد حیدرآباد کے وزیر اعلیٰ سالار جنگ نے اپنے پاس بلا لیا تھا اور ان کو ایک علاقے کا کمشنر مقرر کر دیا تھا۔ بقیہ عمر ان کی حیدرآبادی میں گزری۔ واضح رہے کہ یہ سید علی بلگرامی اور سید حسین بلگرامی کے والد تھے۔

سید اعظم الدین بلگرامی:

یہ سید زین الدین کے چھوٹے بھائی تھے۔ انھوں نے کالج آف اورینٹل لرننگ کلکتہ

Marfat.com

سے تعلیم حاصل کی تھی۔ فارغ ہو جانے کے بعد یہ گورنر جنرل ہندوستان کے مصاحب مقرر ہو گئے تھے، پھر السنہ شرقیہ کے مترجم مقرر ہو گئے، پھر گورنر جنرل نے ان کو سندھ کی ریاستوں کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کر دیا۔ اس دور میں مسلمان سندھ میں کسی گورے کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ مگر سید اعظم الدین کا رنگ بھی سرخ و سپید تھا، اس لیے یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ بھی دراصل گورا ہے۔ بظاہر مسلمان بنا ہوا ہے۔ اس معاملہ نے اس قدر طول کھینچا کہ وہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ یہ چھپ کر وہاں سے بھاگے اور براہ بحری جہاز کے کلکتہ پہنچے۔ اس کے بعد مجلس وضع قانون کے رکن مقرر ہوئے۔ یہ پہلے ہندوستانی ہیں جن کو حسنِ کارکردگی کی بناء پر سی ایس آئی کا خطاب حکومت کی جانب سے عطا ہوا۔

سید علی بلگرامی:

یہ سید زین الدین کے چھوٹے فرزند تھے۔ ۱۰ نومبر ۱۸۵۱ء کو ان کی ولادت ہوئی۔ ۱۵ سال کی عمر میں انگریزی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۱۸۶۸ء میں کینگ کالج لکھنؤ سے گریجویٹ بنے۔ رڑکی کالج میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ سالارِ جنگ نے ان کو بھی حیدر آباد بلا لیا (۱۸۷۴ء)۔ یہاں انھوں نے مدراس یونیورسٹی سے ایم اے کا امتحان پاس کیا، پھر مزید تعلیم کے لیے لندن کا سفر اختیار کیا۔ لندن یونیورسٹی کا امتحان پاس کیا۔ جرمن اور فرانسیسی زبانیں سیکھیں۔ ۱۸۷۷ء میں رائل اسکول آف مائننگ میں داخلہ لیا۔ وہاں سے دو سال میں کیمیا، طبیعیات، حیاتیات، ارضیات اور معدنیات سائنس کی مختلف شاخوں میں امتحانات دیے اور کامیاب ہوئے۔ جولائی ۱۸۷۹ء کو Associate of Royal College of Mines Sciences کی سند ملی۔ ۱۸۸۱ء میں واپس حیدر آباد آئے۔ اضلاع مشرقی کے گورنر مقرر ہوئے۔ کلکتہ یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی ڈگری عطا کی۔ ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے آپ پہلے مسلمان ہیں۔ اگر کوئی شخص ہفت زبان اور ہفت علوم ہوسکتا ہے تو وہ سید علی بلگرامی تھے۔ فی الواقع وہ چودہ زبانیں جانتے تھے۔ وہ عربی، فارسی، اردو، ترکی، سنسکرت، ہندی، مراٹھی، گجراتی، بنگالی، تلنگی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانیں بخوبی

Marfat.com

جانتے تھے۔ ریاست نظام حیدر آباد دکن سے وظیفہ یاب ہو کر ۱۹۰۶ء میں وہ جامعہ کیمبرج میں مرہٹی زبان کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ ۱۹۰۵ء میں جب اقبال کیمبرج گئے تو وہ وہاں موجود تھے۔ (عروج اقبال، ص:۳۰۲)

سنسکرت زبان میں مدراس یونیورسٹی کے ایم اے کے امتحان میں ممتحن مقرر ہوتے تھے۔ علوم کے سلسلہ میں آرٹ اور سائنس کے تقریباً تمام ہی علوم میں مہارت اور سند رکھتے تھے، اس زمانہ میں لازمی اور اختیاری مضامین کی تفریق رائج نہیں تھی۔ سارے مضامین پڑھنے پڑتے تھے۔ سید علی بلگرامی کی تصانیف کا تعلق بھی مختلف زبانوں اور مختلف علوم سے ہے۔

۱۔ اُپنشد (سنسکرت) کا اردو ترجمہ جو رسالہ مخزن لاہور میں ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا۔

۲۔ میڈیکل جورس پروڈنس کا اردو ترجمہ طبع آگرہ ۱۸۹۳ء۔

۳۔ نجوم الفرقان از فلوگل کا جرمنی سے اردو ترجمہ شائع نہ ہو سکا۔

۴۔ الفہرست ابن ندیم کا اردو ترجمہ شائع نہ ہو سکا۔

۵۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ نامکمل۔

مگر ان کی شہرت جن دو کتابوں سے قائم ہے وہ یہ ہیں:

۶۔ تمدنِ عرب، از گستاولیبان۔ فرانسیسی سے اردو ترجمہ کیا۔

۷۔ تمدنِ ہند، از گستاولیبان۔ فرانسیسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

یہ ترجمے اس قدر معیاری ہیں کہ اس کا شمار اردو کے کلاسیکی ادب میں ہوتا ہے۔ سید علی بلگرامی کا انتقال ۱۹۱۱ء میں ہوا (۱۱)۔

جسٹس امیر علی:

سید امیر علی ۶ اپریل ۱۸۴۹ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے اسلاف موہانہ یوپی کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کلکتہ میں منتقل ہو گئے تھے۔ شیعہ اثنا عشری خاندان سے تعلق ہے۔ مگر دینی تعلیم انھوں نے مولوی کرامت حسین جونپوری سے حاصل کی تھی۔ انگریزی تعلیم ہگلی

Marfat.com

کالج کلکتہ سے حاصل کی تھی۔ان کی والدہ ایلز بیتھ اڈا (Elizabeth Idda) تھیں اور ان کی بیوی ایلز بیتھ کوئسٹام (Elizabeth Coistam) تھیں۔ یہ وائسرائے ہندوستان لارڈ ڈفرن (۱۸۸۴-۱۸۸۸ء) کے ہم زلف تھے۔اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۸۶۸ء میں لندن گئے۔ وہاں قانون کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔

امیر علی تعلیم کے ساتھ سیاست میں حصہ لینا ضروری خیال کرتے تھے۔اس معاملہ میں وہ سرسید کے ہم خیال نہیں تھے۔ انھوں نے ۱۸۷۷ء میں نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی۔ مسلمانوں کی یہ پہلی سیاسی تنظیم تھی جو ہندوؤں کی کانگرس سے ۸ سال قبل قائم ہوئی تھی۔سارے ملک میں اس کی شاخیں قائم تھیں۔امیر علی اس انجمن کے ۲۵ سال تک سیکرٹری رہے۔ وہ قانون کے ماہر تھے،عدالت کے جج بنے، پھر جسٹس کہلائے،۱۹۰۴ء میں وہ لندن چلے گئے۔وہاں پریوی کونسل کے جج مقرر ہوئے۔لندن میں ان کا ۱۹۲۸ء میں انتقال ہو گیا (۱۲)۔

عبدالرؤف وحید:

عبدالرؤف وحید کلکتہ میں ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم مدرسہ عالیہ کلکتہ میں حاصل کی۔جدید علوم کی تعلیم وہاں حاصل کی۔آغاز ہی میں انھوں نے پیشہ صحافت کو اختیار کیا۔ ''سلطان الاخبار'' کلکتہ کے وہ مدیر بن گئے۔پھر ایک اخبار ''دوربین'' نکالا۔پھر ایک اخبار ''اردو گائیڈ'' نکالا۔

۱۸۵۵ء میں کمپنی کی حکومت نے انھیں سرکاری مترجم کے منصب پر مامور کیا۔۱۸۶۰ء میں ان کا تقرر مدرسہ عالیہ میں فارسی زبان کے استاد کی حیثیت سے ہو گیا۔۱۸۶۳ء میں یہ گورنر جنرل کی مجلس قانون ساز کے مترجم بنائے گئے۔ان کی تصانیف میں ''تاریخ بنگلہ'' تاریخ کلکتہ، ہدایۃ الحجاج اور دیوانِ وحید مشہور ہیں۔

مولوی عبداللطیف:

مولوی عبداللطیف کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی

Marfat.com

تعلیم مدرسہ عالیہ کلکتہ میں حاصل کی۔ بنگالی مسلمانوں میں ان کا گھرانہ پہلا خاندان ہے جس نے انگریزی تعلیم کی جانب توجہ دی۔ انگریزی تعلیم کی اشاعت کے لیے یہ بہت کوشش کرتے رہے۔ انھوں نے سیاست میں حصہ لیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد عام طور پر مسلمانوں پر مردنی چھا گئی۔ عبداللطیف نے پیش قدمی کی اور ۱۸۶۲ء میں محمڈن لٹریری سوسائٹی قائم کی۔ جس کا زیادہ تر مقصد تو ادبی اور ثقافتی تھا مگر سیاست سے بھی احتراز نہ تھا۔ اس انجمن کے تحت ایک عجیب وغریب جلسہ کلکتہ میں ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کو ہوا، جس میں برملا جہاد کے خلاف تقریریں ہوئیں اور جہاد کے خلاف قرارداد منظور ہوئی۔ اس جلسہ میں مولوی کرامت علی جونپوری نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکومت کی وفاداری میں یہ بہت نمایاں تھے۔

وہابیت کے الزام میں نواب صدیق حسن خاں جب نواب بھوپال حکومت کے زیرِعتاب آئے، تو انگریزی حکومت نے مولوی عبداللطیف خاں کو ۱۸۲۴ء میں بھوپال کا وزیراعظم بنا کر بھیجا تھا۔

۱۰ فروری ۱۸۹۳ء کو ان کا انتقال ہوا (۱۳)۔

مولوی عبدالغفور نساخ:

یہ مولوی عبداللطیف کے بھائی تھے۔ ۱۲۴۹/۱۱ فروری ۱۸۳۴ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ کلکتہ میں حاصل کی۔ جدید تعلیم ہگلی کالج میں حاصل کی۔ تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی۔ ۱۸۶۰ء میں ڈپٹی کلکٹر ہوگئے۔

۱۸۸۹ء میں ان کی وفات ہوگئی۔

مولوی عبدالغفور شاعر تھے۔ نساخ تخلص کرتے تھے۔ خود صاحبِ دیوان تھے۔ اردو اور فارسی شعراء کے دو تذکرے مرتب کیے ہیں (۱۴)۔

مولوی چراغ علی:

مولوی چراغ علی میرٹھ میں پیدا ہوئے (۱۸۴۴ء)۔ مقامی طور پر اردو فارسی کی تعلیم

Marfat.com

حاصل کی۔ انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ ''بستی'' کا نیا ضلع بنا تھا۔ وہاں خزانے کے منشی کی نوکری مل گئی جس کی تنخواہ بیس روپے ماہانہ تھی۔ مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ پادری عمادالدین پانی پتی کی کتاب تاریخ محمدی کا جواب، تعلیقات کے نام سے لکھا تھا۔

پھر لکھنؤ میں اپنے والد کے محسن، گوراوسلی کے پاس، جوڈیشنل کمشنر کے دفتر لکھنؤ میں ملازم ہو گئے۔ ۸۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ سرسید کے خیالات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ ۱۸۷۷ء میں سالار جنگ نے حیدر آباد بلوا لیا۔ مددگار معتمد مال گزاری مقرر کر دیا۔ بڑے محنتی تھے۔ دفتری کام میں نہایت قابل تھے۔

مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ بیت الخلاء میں کتاب ساتھ لے جاتے تھے۔ ان کی بیوی کا بیان ہے کہ میری ایک ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ رات کو ان کے سینے سے کتاب اُٹھا کر رکھوں تا کہ جلد نہ ٹوٹ جائے۔ کتاب خانہ قابل قدر تھا۔ پڑھنے میں محویت کا عالم رہتا تھا۔ کالڈی زبان میں اچھی دستگاہ تھی۔ لاطینی اور یونانی بقدر کارروائی جانتے تھے۔ عربی، فارسی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ مگر ان کی تمام تصانیف انگریزی میں ہیں۔

۱۔ تحقیق الجہاد میں مستشرقین کو جوابات دیے ہیں۔

۲۔ اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام میں اسلامی نظام کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ دونوں کتابیں اصل میں انگریزی میں ہیں۔ بعد میں اردو میں ترجمہ ہوا ہے (۱۵)۔

خدا بخش:

خدا بخش کی ولادت چھپرا بہار میں ۱۸۴۲ء میں ہوئی۔ حصولِ تعلیم کے لیے کلکتہ کا رخ کیا۔ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کی۔ ۲۶ سال کی عمر میں وکالت شروع کر دی اور بڑی ناموری حاصل کی۔ سر سالارِ جنگ نے حیدر آباد دکن بلا لیا۔ وہاں ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے (۱۸۹۴-۱۸۹۸ء) وہاں سے سبکدوش ہو کر واپس پٹنہ آئے۔ یہاں ۱۹۰۸ء میں ان کی وفات ہو گئی۔ سرکار انگریز نے بڑے خطابات اور انعامات سے نوازا۔

Marfat.com

ان کی شہرت مشہور و معروف لائبریری سے ہے۔ جس کو خدا بخش لائبریری بانکی پور پٹنہ کہتے ہیں۔ یہ لائبریری دراصل ان کے والد کی قائم کردہ ہے۔ وہ بھی وکیل تھے۔ انھوں نے اچھی خاصی محنت کر کے کتابیں جمع کی تھیں۔ خدا بخش نے بھی اپنی ساری زندگی کتابیں جمع کرنے میں صرف کردی۔ پھر ایک عالی شان عمارت کتب خانے کے لیے تعمیر کی۔ اس پر ۸۰ ہزار روپیہ صرف کر ڈالے۔ اس لائبریری کو پھر وقف قرار دے دیا۔ آج یہی لائبریری مشرقی علوم کے نادر مخطوطات کے نقطۂ نظر سے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ دنیا بھر کے محققین اس کا رخ کرتے ہیں۔ اس کا نظم وضبط بھی بہت اچھا ہے(۱۶)۔

صادق علی انصاری:

ان کے والد حسن علی انصاری اصل میں تو سہارن پور کے رہنے والے تھے۔ مگر بمبئی پھر سندھ چلے گئے تھے۔ خیر پور میں وزیراعظم رہے تھے۔ صادق علی شکار پور میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۷۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۸۸ء میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ سے سبکدوشی حاصل کی۔ ۱۹۰۷ء میں خیر پور میں وزیر مقرر ہوگئے۔ ۱۹ اپریل ۱۹۱۴ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

۴۔ ترجمے کی انفرادی کوششیں

ا۔ مغربی علوم کے مترجمین

مولانا عبید اللہ عبیدی سہروردی:

مولانا عبید اللہ سلسلہ سہروردیہ سے وابستہ بنگال کے مشہور دینی خانوادے کی ایک نمایاں علمی اور دینی شخصیت تھے۔ عربی، فارسی اور دینی علوم کے جید عالم تھے۔ انگریزی زبان بھی بخوبی جانتے تھے۔ اپنے حلقہ میں جدید تعلیم کے حامی تھے۔ پہلے ڈھاکہ کالج کے پرنسپل رہے پھر ہگلی کالج کلکتہ کے پرنسپل رہے۔

صاحب تصانیف بزرگ ہیں۔ جدید علوم کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی بعض تصانیف یہ ہیں:

Marfat.com

۱۔ پولیٹیکل اکانومی کا ترجمہ رسالہ تمدن کے نام سے کیا ہے۔

۲۔ اسٹرانومی کا ترجمہ رسالہ ہیئت کے نام سے کیا ہے۔

۳۔ جیوگرافی کا ترجمہ مناہل جغرافیہ کے نام سے کیا (۱۷)۔

لندن سیر کے لیے گئے تھے۔ وہاں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مختصر سا رسالہ لکھا تھا۔ وہاں طبع ہوا تھا۔ وہ رسالہ ان کا بڑا مقبول ہوا تھا۔ اس رسالہ میں مرقوم ہے کہ مکی دور میں مظالم کے مقابلہ میں صبر وتحمل اور ہاتھ روکنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ یہ رسالہ حسن اتفاق سے روس میں ٹالسٹائے کے ہاتھ لگ گیا (۱۸۲۸ء-۱۹۱۰ء) اس رسالہ کو پڑھ کر اس نے عدم تشدد کو اپنی پالیسی بنایا۔ ٹالسٹائے کی کتاب ہندوستان میں گاندھی (۱۸۶۹ء-۱۹۴۸ء) کے ہاتھ لگ گئی۔ اس سے متاثر ہو کر اس نے ''اہنسا'' عدم تشدد کی پالیسی اختیار کی تھی۔

حسین شہید سہروردی جو پاکستان کی سیاست میں ایک اہم کردار تھے، وہ ان کے نواسے تھے۔

مولوی عبدالفتاح:

اشرف علی اشرف معروف بہ سید عبدالفتاح گلشن آباد عرف ناسک کے رہنے والے تھے۔ پھر بمبئی میں منتقل ہو گئے تھے۔ عربی، فارسی کے دینی عالم تھے۔ انگریزی زبان بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۴ء میں حکومت کی طرف سے خاندیش دکن میں عدالت عالیہ پر مامور تھے۔ پھر الفنسٹن کالج بمبئی میں عربی اور فارسی زبانوں کے استاد مقرر ہوئے تھے۔

یہ بڑے مصنف ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۱۹ ہے۔ اکثر تو تدریسی ہیں جو بمبئی کے مدرسوں میں نصاب میں لگی ہوئی ہیں۔ بعض یہ ہیں: خزینۂ دانش، تحفۂ محمدیہ، اشرف اللغات، یہ اردو (ہندوستانی) فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کی لغت ہے۔ اشرف الانشاء ان کی مقبول کتاب ہے۔

انگریزی تاریخوں کو سامنے رکھ کر انھوں نے ''تاریخ افغانستان وسندھ'' مرتب کی تھی،

Marfat.com

جو دارالملک بمبئی سے ۱۲۶۱ھ-۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ ایک مدت سے نایاب تھی، ابھی حال ہی میں اس کا دوسرا ایڈیشن کراچی سے شائع ہوا ہے(۱۸)۔

مولوی محمد احسن نانوتوی:

مولوی محمد احسن نانوتوی نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ انگریزی زبان سے بخوبی واقف تھے۔ وہ علمی خانوادے کے فرد تھے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر انھوں نے دینی علوم کی طباعت کے لیے کوشش کی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتابوں کی اشاعت کی۔ مغربی زبان کے علوم کے ترجمہ کی طرف بھی ان کی توجہ تھی۔ کالج کے تدریسی زمانہ میں ہی دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر ٹیلر کی فرمائش پر انھوں نے Natural Science کا ترجمہ اردو زبان میں پیش کیا تھا۔ جر ثقیل (میکانیک) پر بھی انھوں نے ایک رسالہ لکھا تھا۔

سرسید احمد خاں کی فرمائش پر انھوں نے مشہور مستشرق گاڈ فری ہگنز کی کتاب An Apology for Mohammed کا اردو ترجمہ "حمایت اسلام" کے نام سے کیا تھا۔ سرسید اس کتاب سے اس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے اس کتاب کی طباعت کے مصارف اپنے پاس سے ادا کیے تھے۔ یہ ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ مولوی محمد احسن نانوتوی کی پیدائش ۱۸۲۵ء میں ہوئی تھی اور ان کا انتقال ۱۸۹۵ء میں ہوا(۱۹)۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی:

مولوی ذکاء اللہ دہلی کے باشندے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۸۳۴ء میں ہوئی تھی۔ دہلی کالج میں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی تھی۔ ماسٹر رام چندر کے وہ خاص طالب علم تھے۔ اس لیے ان کو علوم ریاضی سے خاص شغف تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ آگرہ کالج میں اردو فارسی زبانوں کے استاد مقرر ہو گئے تھے۔ سات سالوں تک کالج میں رہے۔ پھر بلند شہر میں ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات مقرر ہوئے۔ ۴ سال تک یہ فرائض انجام دیے۔ پھر ۱۸۶۶ء میں نارمل اسکول دہلی کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ اس دور میں درسی کتابیں زیادہ تر لکھی ہیں۔ ۱۸۷۳ء میں میور کالج الہ آباد میں عربی

Marfat.com

فارسی زبانوں کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ ۴۴ سال ملازمت کر کے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں وفات ہوئی۔ ان کی بیشتر تصانیف تدریسی اور علومِ ریاضی پر ہیں۔ البتہ انھوں نے بڑی محنت سے تاریخ ہندوستان دس ضخیم جلدوں میں مرتب کی ہے۔ ایک زمانہ میں وہ علی گڑھ سے شائع ہوئی تھی۔ سرسید احمد خاں کے دست راست مولوی سمیع اللہ خاں کی سوانح عمری بھی بڑی مفصل لکھی ہے۔

ان کی ریاضی کی کتابیں علی گڑھ سے حیدر آباد سے اور دہلی سے شائع ہوتی رہی ہیں (۲۰)۔

۲۔ طب جدید کے مترجمین

ڈاکٹر غلام حسین:

ڈاکٹر غلام حسین سہنسہ ضلع گوڑ گانوں مشرقی پنجاب کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ میڈیکل کی تعلیم میڈیکل کالج آگرہ سے حاصل کی۔ وہاں مولانا امام الدین میڈیکل میوزیم کے کیوریٹر تھے۔ اس کے بعد لکھنؤ میڈیکل کالج میں داخلہ لیا۔ سات سالہ کورس مکمل کیا اور سند حاصل کی۔ اس زمانہ میں ہندوستانی ڈاکٹروں کو نیٹو (Native) ڈاکٹر کہتے تھے۔ ۱۸۶۵ء میں ان کا تقرر بحیثیت ڈاکٹر جھانسی وسط ہند میں ہوا۔ ۱۸۷۰ء میں جزیرہ نیکوبار خلیج بنگال میں بھیج دیا گیا۔ پھر وہاں سے ہنگو (کوہاٹ) میں تبادلہ کر دیا گیا۔ وہاں سے انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ صحت النساء اور معدن الحکمت۔ مؤخر الذکر بہت مشہور ہے۔ یہ ۱۸۷۵ء میں طبع ہوئی (۲۱)۔

ڈاکٹر ممتاز حسین:

یہ ڈاکٹر غلام حسین کے بھائی تھے۔ ۱۸۵۳ء میں سہنسہ گوڑ گانوں میں پیدا ہوئے۔ میڈیکل کالج کلکتہ سے طب جدید کی تعلیم حاصل کی۔ بحیثیت اسسٹنٹ سرجن لکھنؤ میں تقرر ہوا۔ اس زمانہ میں مدراس میں ہیضہ پھوٹ پڑا، مختلف ڈاکٹر وہاں بھیجے گئے۔ ان کا تقرر کدلکی ضلع بلاری صوبہ مدراس میں ہوا۔ وہاں یہ بھی ہیضہ میں مبتلا ہو گئے۔ ۳۰ جون ۱۸۷۸ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

Marfat.com

طب پر ان کی بھی کتابیں ہیں (۲۲)۔

ڈاکٹر عبدالرحیم خاں:

لاہور کے مشہور ڈاکٹر تھے۔ طبِ رحیم کے نام سے ان کی ایک تصنیف بہت مشہور ہے۔ یہ ضخیم کتاب دو جلدوں میں ہے۔ ۵۴۰ صفحات ہیں۔ وہاں لاہور میڈیکل کالج کے نصاب میں شامل ہے۔ دواؤں کے نام اردو، عربی، یونانی اور انگریزی دیے ہیں۔ حسب ضرورت تصاویر بھی بنائی ہیں۔ بڑی مقبول کتاب ہے (۲۳)۔

میجر بتے خان:

بیطاری (گھوڑوں کے علاج) کا کالج پونا میں قائم تھا، یہاں کے استاد میجر بتے خاں نے تشریح اعضائے فرس پر ایک کتاب ''ہدایت نامہ فرس'' لکھی جو پونا پریس سے ۱۸۷۷ء میں طبع ہوئی، راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۵۔ ترجمہ کی منظم کوششیں

ا۔ سائنٹیفک سوسائٹی، علی گڑھ (۱۸۶۳-۱۸۷۷ء):

اس دور میں علمی کام کی سربراہی سرسید احمد خاں انجام دے رہے تھے۔ ان کو اس امر کا پورا یقین تھا کہ علومِ جدیدہ کی اشاعت میں ہم وطنوں کی بھلائی ہے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے طور پر مغربی علوم وفنون کی اشاعت کے لیے ایک انجمن بنائی۔ ۱۸۶۲ء میں وہ غازی پور میں تعینات تھے کہ سائنٹفک سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ڈیوک آف آرگائل لندن نے اس کی سرپرستی قبول کی۔ انگریز اور ہندوستانی افراد نے اس کی ممبری قبول کی۔ سرسید احمد خاں اس انجمن کے اعزازی سیکرٹری تھے۔ یہ سوسائٹی انگریزی زبان سے سائنس کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرتی تھی۔ ہر مہینہ علمی موضوعات پر تقریریں ہوتی تھیں۔

جب سرسید کا تبادلہ علی گڑھ ہو گیا تو یہ سوسائٹی علی گڑھ منتقل ہو گئی (۱۸۶۴ء) سرسید اس کو جمعیۃ العلمیہ علی گڑھ لکھتے ہیں۔ سرسید نے ۳۰ ہزار روپیہ کے صرفہ سے ایک عمدہ عمارت انجمن

Marfat.com

کے لیے تعمیر کرائی۔ اس عمارت پر ۱۸۶۵ء کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ آج اس میں طبیہ کالج قائم ہے۔ یہاں تنخواہ دار ملازم ترجمہ کا کام کرتے تھے۔ بیگم صاحبہ بھوپال نے سرسید کو الماس کی انگوٹھی تحفہ دی تھی۔ سرسید نے وہ انگوٹھی اس سوسائٹی کی نذر کر دی۔ ۴۰ کے قریب کتابیں اس انجمن نے شائع کیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ رسالہ علم فلاحت از رابرٹ اسکاٹ برن، اس کا ترجمہ کیا گیا۔

۲۔ رسالہ علم برقی، سرولیم اسٹوپیرس کا ترجمہ ہوا۔

۱۸۷۷ء میں جب دارالعلوم علی گڑھ کا قیام عمل میں آیا۔ سرسید کی ساری دلچسپیاں کالج کے متعلق ہو گئیں تو اس کے بعد سوسائٹی کا کام بند ہو گیا (۲۴)۔

۲۔ رڑکی کالج (۱۲۷۳-۱۳۰۶ھ/۱۸۵۶-۱۸۸۸ء):

انجینئرنگ کی تعلیم دینے کے لیے یہ کالج رڑکی ضلع سہارن پور میں قائم ہوا تھا بڑی جلدی یہ کالج مقبول ہو گیا۔ دور دور سے طلبہ یہاں تعلیم کے لیے آتے تھے۔

اس کالج میں ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ اس لیے اردو میں نصابی کتابیں لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سلسلہ میں یہاں بڑا قابل قدر کام ہوا ہے یہ خالص فنی کتابیں تھیں۔ یہ ترجمے وہاں کے استادوں نے کیے تھے اور کالج کے مطبع رڑکی پریس سے شائع ہوتے تھے (۲۵)۔

۶۔ انگریزی زبان کے مصنّفین

سید عبداللہ:

سید عبداللہ اودھ کے شاہزادگان کے مصاحب تھے۔ وہ جنرل لارنس کے ملازم بن گئے۔ ان کے ساتھ ایک عرصہ گزارا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں جنرل لارنس مارے گئے ان کے مرنے کا سید عبداللہ کو بہت غم ہوا۔ اس غم کے اظہار کے طور پر انھوں نے جنرل لارنس کا مرثیہ اردو زبان میں لکھا۔ پھر اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں پیش کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں انگریزی زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ پرنس آف ویلز ۱۸۷۶ء میں ہندوستان آئے تھے، تو

Marfat.com

انھوں نے اس سے ملاقات کی تھی (۲۶)۔

جسٹس امیر علی:

جسٹس امیر علی کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، وہ انگریزی زبان کے بڑے قادر الکلام مصنف تھے۔ وہ تعلیم کے لیے ۱۸۶۸ء میں لندن گئے تھے، وہاں مسیحی پادریوں اور مستشرقوں کے اعتراضات، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنے۔ ان سے ضبط نہ ہوسکا۔ انھوں نے اس زمانہ میں ایک کتاب لکھی تھی (۲۷)۔

Critical Examination of the Life and Teaching of Mohammed. London. 1873

لیکن ان کی مشہور و معروف کتابیں دو ہیں۔ ایک میں انھوں نے اسلام کی حقیقت بیان کی ہے اور دوسری میں اسلامی عہد اوّل کی تاریخ بیان کی ہے۔

1- The spirit of Islam

2- A Short History of Saracens

ان کتابوں کے بیسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اردو اور عربی میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر اشتیاق قریشی نے لکھا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں میں معیاری انگریزی زبان لکھنے والے دو چار افراد سے زیادہ نہیں ہیں۔ مثلاً سید امیر علی اور علامہ اقبال (۲۸) یہ انگریزی کے قادر الکلام مصنف ہیں۔

جسٹس سید محمود:

سید محمود، سرسید احمد خاں کے اکلوتے بیٹے تھے۔ یو پی حکومت کے وظیفہ (چھ ہزار) پر انگلستان گئے۔ وہاں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی۔ پہلے وکیل رہے۔ پھر جج بن گئے تھے۔ باپ کی طرح ان کا سیاسی زندگی میں کوئی نمایاں کام نہیں ہے۔ مشہور قانون دان ہیں۔

۱۸۷۰ء میں لارڈ میو نے تعلیم کے باب میں مسلمانوں کی شکایات کی تحقیقات کو بھی ۱۸۷۰ء کے تعلیمی کمیشن کا جزو بنا دیا۔ اس کا صدر ولیم ہنٹر تھا۔ سرسید احمد کو اس کا ممبر نامزد کیا۔ سر

Marfat.com

سید کی ولیم ہنٹر سے ناچاقی ہو چکی تھی۔ وہ اس کی کتاب Indian Muslamans کے خلاف سخت تبصرہ ''ہنٹر پر ہنٹر'' لکھ چکے تھے۔ اس لیے انھوں نے اس کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کیا۔ وائسرائے نے پھر ان کے بیٹے سید محمود کو ممبر نامزد کر دیا تھا۔

اس موقع پر سید محمود نے ہندوستان میں صد سالہ تعلیم کا جائزہ لیا ہے اور ایک کتاب لکھی ہے History of Education (۱۸۷۰ء) مگر یہ چھپی ہے بعد میں۔ علی گڑھ سے ۱۸۹۵ء میں اس کی اشاعت ہوئی۔ ۸ مئی ۱۹۰۳ء میں ۵۳ سال کی عمر میں سید محمود کا انتقال ہو گیا۔

☆......☆......☆

Marfat.com

باب:۸

انگریزی عہدِ حکومت کے علماء اور انگریزی زبان

ایک عرصہ تک تو انگریزی حکومت کا رویہ مسلمانوں کے متعلق منتقمانہ رہا۔۱۸۶۹ء میں لارڈ میو وائسرائے ہندوستان نے اس پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔اس نے مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کیا۔اس نے تلافی مافات کی کوشش کی۔مسلمانوں کو جداگانہ درس گاہ قائم کرنے کی اجازت دے دی۔اس میں دینیات پڑھانے کی بھی اجازت دے دی۔اس سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۷۷ء میں سرسید احمد خان نے علی گڑھ میں اینگلو محمڈن اورینٹل کالج قائم کیا۔جس میں تمام ہندوستان سے مسلمان طلبہ آ کر جدید تعلیم حاصل کرتے تھے۔تمام سربرآوردہ انگریز اس کالج سے ہمدردانہ رویہ رکھتے تھے۔مسلمانوں کی نسلوں کی اب اس درس گاہ کے ذریعہ تعلیم و تربیت ہونے لگی۔اس درس گاہ کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کو ملازمت کا حاصل ہونا یقینی تھا۔اس لیے سارے ہندوستان سے مسلمان طلبہ یہاں چلے آتے تھے۔

اس دور میں علماء کے خلاف پروپیگنڈا بڑے زور وشور سے جاری تھا کہ علماء نے انگریزی کے خلاف کفر کے فتوے دیے ہیں۔کم وبیش سارے ہی علماء اس سے متاثر تھے۔حیرت انگیز امر تو یہ ہے کہ انگریزی تعلیم کے سرخیل سرسید احمد خاں نے علی گڑھ میں انگریزی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا۔انگریزی تعلیم کے حق میں فضا تیار کرنے کے لیے سارے ملک میں دورے کیے، جلسے کیے،تقریریں کیں۔مگر وہ خود بھی اس پروپیگنڈہ سے متاثر تھے۔خود کبھی انگریزی زبان نہیں سیکھی۔مستشرقین کے اعتراضات کے خلاف سیرت کی کتاب خطبات احمدیہ لکھتے وقت وہ اپنے

Marfat.com

شاگردوں سے انگریزی اقتباسات کا ترجمہ کرا لیتے۔ انگریزی پڑھنے کا خیال نہ آیا۔ سر سید احمد خاں مغربی علوم سے حد درجہ مرعوب تھے۔ اس مرعوبیت میں بڑا دخل ان کے مغربی زبان نہ جاننے کو حاصل ہے۔ کاش وہ انگریزی زبان سیکھ لیتے۔ انگریزی تعلیم کا براہِ راست مطالعہ کرتے پھر اس قدر مرعوب نہ رہتے۔

علامہ شبلی قدیم تعلیم کے اعلیٰ نمائندے تھے۔ جدید تعلیم کے مرکز علی گڑھ میں رہے۔ تاریخ کے مطالعہ کے سلسلہ میں مغربی مستشرقین کی کتابوں سے استفادہ بھی کیا۔ مگر وہ بھی متعلقہ اقتباسات کا ترجمہ شاگردوں سے کرا لیتے تھے۔ انھوں نے بھی انگریزی زبان نہیں پڑھی [گو کہ وہ انگریزی زبان کی تدریس کے زبردست حامی تھے۔ ناشر]۔ وہ بھی مغربی علوم کا براہِ راست مطالعہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بھی پروپیگنڈے سے متاثر رہے۔ ان کے زیر اثر قائم ہونے والے ادارے دارالمصنّفین اعظم گڑھ کی بھی یہی حالت ہے۔ وہاں سید سلیمان ندوی جیسے فاضل محقق کام کرتے تھے۔ تاریخ میں ان کا کارنامہ بہت اعلیٰ ہے۔ مگر انگریزی زبان انھوں نے بھی بقدرِ ضرورت رکھی۔ مغربی علوم وفنون سیکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ یہی حال دارالمصنّفین کے دیگر بزرگوں کا [رہا] ہے۔

مولانا عبدالعزیز میمن عربی لغت اور ادب کے ماہر تھے۔ اوّل روز سے انگریزی کالجوں میں استاد مقرر ہوئے۔ پہلا تقرر اسلامیہ کالج پشاور میں ہوا تھا۔ پھر آخر میں علی گڑھ میں رہے۔ وہ بھی انگریزی "کام چلاؤ" جانتے تھے۔ باقاعدہ مطالعہ کی ضرورت انھوں نے بھی محسوس نہیں کی۔

مولانا عبیداللہ سندھی روس میں جا کر رہے۔ وہاں ہندوستان کے فراری طلبہ ہندو مسلمان ان کے لیے ترجمانی کے فرائض ادا کرتے تھے۔ انھوں نے کوئی یوروپین زبان نہیں سیکھی۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ سوشلزم کے متعلق ان کی معلومات رطب و یابس اور مزعومات کا ملغوبہ ہیں۔ کاش وہ کوئی یوروپین زبان سیکھ لیتے تو اس قسم کی مرعوبیت اور شترگربگی کا مظاہرہ نہ کرتے۔

Marfat.com

غرضیکہ اس دور کے علماء پوری طرح انگریزی پروپیگنڈے کے طلسم میں گرفتار رہے۔
اس عرصہ میں کوئی غزالی پیدا نہیں ہوا جو بھرپور انداز میں مغربی علوم وفنون کا مطالہ کرتا اور پھر اس کا تجزیہ اور تحلیل کرتا۔ بلاشبہ مولانا ابوالکلام آزاد مغربی علوم کے ماہر تھے۔ مگر وہ ذاتی شوق سے مطالعہ کرتے تھے۔ کوئی ملّی خدمت انجام نہ دے سکے۔

قدرت نے یہ کام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے لیے چھوڑ رکھا تھا انھوں نے مغربی علوم کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ ان علوم کا تجزیہ کیا۔ صالح اجزاء دریافت کیے اور پھر ایک جامع اسلامی فکر، جدید تعلیم یافتہ افراد کے سامنے پیش کردی۔

مغربی علوم کے مطالعہ کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

> ”جاہلیت کے زمانہ میں، میں نے بہت کچھ پڑھا ہے۔ قدیم وجدید فلسفہ، سائنس، معاشیات، سیاسیات پر بھی خاصی ایک لائبریری دماغ میں اتار چکا ہوں۔ مگر جب آنکھ کھول کر قرآن کو پڑھا تو بخدا یوں محسوس ہوا کہ جو پڑھا تھا سب ہیچ تھا۔ علم کی جڑ اب ہاتھ آئی ہے۔“ (میری محسن کتابیں، از مولانا عمران خاں، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۴۶ء)

☆......☆......☆

Marfat.com

کتابیات

۱- آزاد، محمد حسین۔ دربارِ اکبری۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز

۲- ابوالکلام آزاد کی کہانی۔ کچھ اِن کی کچھ میری زبانی، مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی، لاہور: مطبوعات چٹان

۳- افتخار حسین، آغا۔ یورپ میں تحقیقی مطالعے۔ لاہور: مجلس ترقیِ ادب، ۱۹۶۷ء

۴- امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال۔ دہلی: مطبع فاروقی

۵- بدایونی، عبدالقادر۔ منتخب التواریخ۔ ترجمہ: محمود احمد فاروقی۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

۶- برکاتی، حکیم سید محمود احمد۔ حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی۔ دہلی: ابوالخیر، اکیڈمی ۱۹۹۲ء

۷- برکاتی، حکیم سید محمود احمد۔ مقالہ مستغربین (غیر مطبوعہ)

۸- برکت اللہ، پادری۔ مغل سلطنت اور مسیحیت۔ لاہور: پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

۹- بنگلوری، محمود احمد۔ تاریخ سلطنت خداداد میلسور۔ طبع لاہور

۱۰- پنجاب یونیورسٹی۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند۔ پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۰ء

۱۱- تحفۃ المجاہدین (عربی مخطوطہ) مخزونہ شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ، حیدر آباد

۱۲- چراغ علی۔ مقدمہ اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام۔ مترجم مولوی عبدالحق۔ لاہور: رفاہِ عام اسٹیم پریس، ۱۹۱۱ء

۱۳- چریا کوٹی، عنایت رسول۔ بشریٰ۔ لاہور: ۱۹۸۱ء

۱۴- چغتائی، عبداللہ۔ سرگزشت خطِ نستعلیق۔ لاہور: مکتبہ نورس، ۱۹۷۰ء

۱۵- حالی، الطاف حسین۔ حیاتِ جاوید۔ کان پور، ۱۹۰۱ء

۱۶- حامی الدین۔ تاریخ التعلیم۔ کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

Marfat.com

۱۷- خطبات گارساں دتاسی۔ کراچی: انجمن ترقی اردو

۱۸- ذکاء اللہ۔ تاریخ ہندوستان۔ جلد ۵ اقبال نامہ اکبری۔ علی گڑھ

۱۹- ذوالفقار، غلام حسین۔ تاریخ اورینٹل کالج لاہور۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج

۲۰- رحمان علی۔ تذکرہ علمائے ہند۔ نولکشور

۲۱- رحیم بخش۔ حیات ولی۔ دہلی

۲۲- ازابر لکھنوی، کمال الدین خان۔ قیصر التواریخ

۲۳- سرسید احمد خاں۔ سیرت فریدیہ۔ مرتب: حکیم محمود برکاتی۔ کراچی

۲۴- سرسید احمد خاں۔ مسافران لندن۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء

۲۵- سلیمان ندوی، سید۔ نقوش سلیمانی۔ کراچی: سندھ اردو اکیڈمی

۲۶- سلیمان ندوی، سید۔ ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں۔ کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

۲۷- شاہد، حمید الدین۔ اردو میں سائنسی ادب۔ کراچی: ایوان اردو، ۱۹۴۹ء

۲۸- شبیر احمد۔ تعلیم کی کہانی۔ کراچی: کفایت اکیڈمی، ۱۹۷۴ء

۲۹- شہابی، مفتی انتظام اللہ۔ غدر کے علماء۔ کراچی، ۱۹۵۷ء

۳۰- شہابی، مفتی انتظام اللہ۔ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی۔ طبع کراچی، ۱۹۵۷ء

۳۱- شوستری، سید عبداللطیف۔ تحفۃ العالم۔ حیدرآباد دکن: ۱۸۴۷ء

۳۲- صدر الحق۔ نساخ۔ کراچی: انجمن ترقی اردو

۳۳- صدیقی، محمد عتیق۔ گلکرسٹ اور اس کا عہد۔ علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند

۳۴- عبدالحق۔ مرحوم دہلی کالج۔ دہلی: انجمن ترقی اردو ہند

۳۵- عبدالحئی، سید۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند۔ طبع دمشق

۳۶- عبدالحئی، سید۔ اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں۔ اردو ترجمہ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند کا اردو

Marfat.com

ترجمہ از ابوالعرفان ندوی۔ اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۱۹۴۹ء
۳۷- عبدالحئی، سید۔ نزہتہ الخواطر (عربی)۔ حیدر آباد دکن
۳۸- عبدالقادر۔ علم و عمل۔ ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی
۳۹- عبداللہ، یوسف علی۔ ہندوستانی تمدن کی تاریخ برطانوی عہد میں (اُردو ترجمہ) کراچی: کریم سنز، ۱۹۶۷ء
۴۰- عسکری، محمد حسن۔ جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ کا خاکہ۔ راولپنڈی: آبِ حیات
۴۱- غلام حسین، سنہہ۔ معدن الحکمت۔ گوڑگاؤں: طبع ۱۹۷۵ء
۴۲- فرنگی محلی، عبدالحئی۔ مجموعۂ فتاویٰ
۴۳- فرید بھکری۔ ذخیرۃ الخوانین۔ کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
۴۴- فضل ربی، خوندکار۔ حقیقت مسلمانان بنگالہ۔ کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ
۴۵- فیروز الدین، حکیم۔ رموز الاطبا جلد دوم (ص ۳۷۸) لاہور: برکت علی اینڈ سنز
۴۶- قادری، محمد ایوب۔ مولوی محمد احسن نانوتوی۔ کراچی
۴۷- خورشید، عبدالسلام۔ کاروانِ صحافت۔ کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان
۴۸- گیلانی، مناظر احسن۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ
۴۹- لطف، مرزا علی۔ تذکرہ گلشن ہند۔ لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۰۶ء
۵۰- مارہروی، سعید احمد۔ آثارِ خیر۔ آگرہ: عزیزی پریس، ۱۹۰۵ء
۵۱- محمد علی خاں۔ سوانح مولوی تفضل حسین۔ حیدر آباد: ۱۹۲۱ء (نادیدہ)
۵۲- محمد میاں۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔ دہلی ۱۹۶۰ء
۵۳- مقالات سرسید۔ مرتب، اسماعیل پانی پتی۔ لاہور، مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۶۲ء
۵۴- مقالات گارساں دتاسی۔ کراچی: انجمنِ ترقیِ اُردو
۵۵- مقالات محمد حسین آزاد۔ مرتب: محمد باقر۔ لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۷۸ء

Marfat.com

۵۶- مقدمات عبدالحق۔مرتب۔ڈاکٹر عبادت بریلوی،لاہور: اُردو مرکز،۱۹۶۴ء

۵۷- ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی۔طبع دہلی

۵۸- منگلوری،طفیل احمد۔مسلمانوں کا روشن مستقبل۔بدایوں،۱۹۴۱ء

۵۹- مہر،غلام رسول۔تاریخ کلہوڑا سندھ۔حیدر آباد:سندھی ادبی بورڈ

۶۰- نقشِ آزاد۔مرتب۔غلام رسول مہر،لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز

۶۱- واصف مدراسی،مخدوم مہدی۔حدیقۃ المرام۔کراچی:انجمنِ ترقیِ اُردو،پاکستان،۱۹۸۴ء

۶۲- وزیرالدین۔رسالہ مبحث الشریف۔دہلی:طبع فخرالمطابع

رسائل

۱- سہ ماہی الزبیر (بہاولپور) کتب خانہ نمبر ۱۹۶۷ء

۲- صحیفہ (لاہور) اکتوبر ۱۹۶۵ء

۳- المعارف (اعظم گڑھ) فروری ۱۹۶۱ء

۴- المعارف (لاہور)۔جون ۱۹۷۰ء

۵- المعارف (لاہور)۔جولائی ۱۹۸۴ء

۶- رسالہ نوادر (بمبئی) جولائی ۱۹۷۰ء

Marfat.com

انگریزی کتب

1- Aziz ur Rehman, and E. Ara Mallika. British Policy and the Muslims in Bengal. Daua: Bangla Academy, 1977.

2- Basu, Major Baman Das. History of Education in India under the rule of East India Company. Calcutta: The Modern Review, 1922.

3- Beale, T. W. An Oriental Biographical Dictionary. Lahore: Sind Sagar Academy. 1881

4- Besseter. The Travels, Karachi.

5- Flex, Rev. Father and Sanads, Agra, 1908.

6- Grierson, G. A. Linguistic Survey of India, vol. I, Calcutta: Superintendent of Government Printing (1903-1928).11 vols.

7- Heber, Bishop. ed. Narrative of the Journey through the upper Provinces of India from Calcutta to Bombay (1824-1825)

8- Hunter, W. W. The Indian Musalmans: Are They Bound to Rebel Against the Queen? London: Trubner and Co., 1872.

9- Kaye, John. History of the Sepoy War in India, London: 1864-1876.

10- Kokan Umari, M. Yousuf. Arabic and Persian in Carnatic (1710 - 1965) Madras, 1974.

11- Mahajan, V. D. History of India since 1526, Delhi: S. Chand, 1962.

12- Mahmood, Syed. A history of English Education in India. Aligarh: MAO College, 1895.

13- Marshman, J. C. Hisotory of India, abridged from the author's larger work. London. William Blackwood and sons, 1876.

14- Maunder, Samuel. The Treasury of History, London: Maunder, 1864.

Marfat.com

15- Muinuddin Ahmad Khan. Fraizi Movement in Bengal. Dacca: Asiatic Society.

16- Nurallah, Syed and J. P. Naik. A Students' History of Education in India 1800-1965. 5th ed. London: Macmillan, 1965

17- Pranjpe, M. R. A Source Book of Modern Indian Education (1797 - 1802. London: Macmillan, 1938.

18- Qureshi, Ishtiaq Hussain. Ulama in Politics(1556-1947) Karachi: Maarif Publication, 1972.

19- Qureshi, Ishtiaq Hussain. Education in Pakistan, Karachi: Maarif, 1974.

20- Spear, Percival. Twilight of the Mughals. London: Oxford University Press, 1951.

21- Zubaid Ahmad. The Contribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature, from Ancient Times to 1857. Lahore: Sh. Muhammad Ashraf.

22- سید عبیداللہ عبیدی، لندن سیر کے لیے گئے، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک رسالہ لکھا۔ سر عبداللہ سہروردی نے احادیث کے ایک مجموعہ کا انگریزی ترجمہ کیا۔ اسے پڑھ کر ٹالسٹائی پر پیغمبر السلام صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا گہرا اثر پڑا، اور گاندھی نے اپنا فلسفہ (عدم تشدد) ٹالسٹائی سے لیا۔

(Introduction to Islam by Prof. Arberry, Cambridge.)

Marfat.com

حوالہ جات

مقدمہ

1. Major Baman Das Basu, History of Education in India under the rule of East India Company, Calcutta: The Modern Review, (1922)P. 16.

2. William Wilson Hunter, The Indian Musalmans: Are They Bound to Rebel Against the Queen? London: Trubner and Co, 1872.

منشی خوندکار فضل ربی، نیز حقیقت مسلمانانِ بنگلہ، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۷۳ء، ص ۹۱-۱۰۰

۳۔ محمد میاں، علماءِ ہند کا شاندار ماضی، ص ۲۱

4. Basu, History of Education in India, P. 14.

5. Ibid.P.111

6. M. R. Pranjpe, A Source Book of Modern Indian Education (1797-1802) London: Macmillan, 1938.

7. Bishop Herber, Narrative of the Journey through the upper provinces of India, 3 Vols., pp. 220, 297-298.

Aziz ur Rehman and E. Ara Mallika, British Policy and the Muslims in Bengal. Dacca: Bangla Academy, 1977. P: 183

8. William Adam, Adam's Reports on Vernacular Education in Bangal and Bihar. Calcutta: Home Secretariat Press, 1868. P. 228.

9. Aziz ur Rehman, Birtish Policy and the Muslims in Bengal. P:289.

Marfat.com

10. Ibid. P.193

۱۱۔ عبداللہ یوسف علی، ہندوستانی تمدن کی تاریخ برطانوی عہد میں، کراچی: کریم سنز، ۱۹۴۲ء، ص. ۱۷۴

12. Nurullah and Naik, A Students' History of Education in India 1800-1965. London: Macmillan 1965 P. 28.

13. Aziz ur Rehman, Birtish Policy and the Muslims in Bengal. P.266.

14. Ibid. P. 266

15. Ibid. P. 266

16. John Clark Marshman, History of India,abridged from the author's larger work. London: William Blackwood and sons, 1876. pp.376-378

17. Aziz ur Rehman, Birtish Policy and the Muslims in Bengal. P:231.

18. Syed Mahmood, A History of English Education in India, Aligarh: MAO College. 1895 P. 53.

۱۹۔ ابوالکلام کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی، مرتب، عبدالرزاق ملیح آبادی، لاہور: مطبوعاتِ چٹان، ص. ۲۵۷

۲۰۔ ایضاً، ص. ۲۵۷-۳۷۷

Marfat.com

حوالہ جات

باب نا

(ا) تحفۃ المجاہدین، از زین الدین معبری، عربی مخطوطہ، مخزونہ دارالآثار، شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج لائبریری، منصورہ، ضلع حیدرآباد

(۲) راجہ کالی کٹ شاموررم (تامل) سامری) عربی زمورن (انگریزی)

(۳) Samuel Maunder, The Treasure of History, London; 1858, P. 777

(۴) عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ

(۵) عبدالحی فرنگی محلی، مجموعۃ فتاوی، ج:۲، ص۔ ۸۰

(۱) Rev. Father Felix, Mughal Farmans Perwanahs and Sanads, Agra. 1908, P. 16.

(۲الف) Mahajan, History of India after 1526 Vol II, Delhi 1962, P. 2

(۲ب) پادری برکت اللہ، مغلیہ سلطنت اور مسیحیت، لاہور، ص. ۱۶۰

(۲ج) Mughal Farmans Perwanahs and Sanads. P. II.

(۲د) Linguistic Survey of India Vol. I, (Preface) 1924.

(۳) عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، ص: ۲۰۸، سید عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج: ۲، ص: ۲۶

(۴) Mughal Farmans Perwanahs...... P. 9.

(۵) فرید بھکری، ذخیرۃ الخوانین، کراچی، ج: ۱، ص. ۴۰

(۶) مقالات شبلی حصہ اول، ص. ۱۴۱

(۶الف) مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، ص. ۵۰ حاشیہ

(۷) محمد حسین آزاد، دربار اکبری، ۸۳، ۱۴۲

(۷الف) مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، ص. ۵۰

(۷ب) Radiance, Delhi 26th May 1990

(۸) سلیم الدین قریشی، لاہور، ماہنامہ کتاب، نومبر ۱۹۸۵ء

(۹) مولوی ذکاء اللہ، اقبال نامہ اکبری، ص. ۸۶

(۱۰) William Beale, An Oriental Biographical Dictionary, Lahore, P.417

(۱۱) عبداللہ چغتائی، سرگزشت خطِ نستعلیق، لاہور: مکتبہ نورس، ۱۹۷۰ء، ص. ۱۸۵

Marfat.com

(۱۲) Beale, An Oriental Biographical Dictionary (article) ''معتمد خان''

(۱۳) Zubaid Ahmad, Contribution of India to Arabic Literature, P. 162.

(۱۴) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ج:۲، عربی حصہ، ص.۳۲۱

(۱۵) سفرنامہ برنیر، طبع کراچی، ص.۲۸۵

(۱۶) نزہۃ الخواطر، چھٹی جلد، ص.۲۷۶

(۱۷) تاریخ ادبیات مسلمان پاکستان وہند، ج:۵، ص.۲۹۱

(۱۸) The Daily Dawn, Karachi, 6 April 1981.

(۱۹) حکیم محمود احمد برکاتی کے غیر مطبوعہ مقالہ سے بھی استفادہ کیا ہے نیز ''ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں'' از سید سلیمان ندوی، ص.۱۲۸ سے بھی استفادہ کیا گیا۔

They were never guided by the true commercial spirit but assumed the role of raid and plunder. 4

(Samuel Maunder, The Treasurer of History, P. 177)

Marfat.com

باب:۳

(۱) سعیدالدین مارہروی، آثارِ خیر، آگرہ: عزیزی پریس، ۱۹۰۵ء، ص. ۲۴

(۲) حامی الدین، تاریخ التعلیم، ص. ۱۳۹

(۳) محمود احمد بنگلوری، تاریخ سلطنت خداداد میسور، طبع لاہور، ص. ۴۵۰

(۴) ایضاً، ص. ۴۹۴

(۵) ایضاً، ص: ۴۹۴؛ حیدرعلی ٹیپو سلطان ازلیون بینتھم بورنگ مترجم محمد محسن علی علوی، لکھنؤ: نولکشور

(۶) الزبیر، سہ ماہی، کتب خانہ نمبر ۱۹۶۷ء، ص. ۶۵

(۷) حامی الدین، تاریخ التعلیم، ص. ۱۲۹

(۸) محمد مہدی واصف مدراسی، حدیقۃ المرام، اردو ترجمہ، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۴ء، ص. ۴۰

(۹) Arabic and Persian in Calicut (1710-1960), P. 517

(۹) مقالات گارساں دتاسی، حصہ اول، ترجمہ، کراچی: انجمن ترقی اردو، ص. ۲۷۷

(۱۰) حدیقۃ المرام، ص. ۷۰

(۱۱) ایضاً، مقدمہ

(۱۲) ایضاً، ص. ۴۰

(۱۳) ایضاً، ص. ۴۰

(۱۴) ایضاً، ص. ۳۳

(۱۵) حدیقۃ المرام، ص. ۳۸

(۱۶) ایضاً، ص. ۳۴

Marfat.com

(۱۷) ایضاً،ص. ۶۰

(۱۸) حکیم فیروز الدین، رموز الاطباء، جلد دوم، لاہور: برکت علی اینڈ سنز، ص. ۳۷۸

(۱۹) حدیقہ، ص. ۶۲

(۲۰) ایضاً، ص: ۶۰، ۸۰، نیز ص ۹۴؛ حیات شاہ محمد اسحاق از حکیم محمود احمد برکاتی، دہلی: ابوالخیر اکیڈمی، ۱۹۷۵ء

(۲۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج:۵، لاہور: جامعہ پنجاب، ص. ۴۶۲

(۲۲) ایضاً، نمبر ۲۰ حدیقہ، ص. ۶، ۸۰

(۲۳) ایضاً

(۲۴) خواجہ حمید الدین شاہد، اردو میں سائنسی ادب، کراچی: ایوان اردو، ۱۹۶۹ء، ص. ۲۴

(۲۵) ایضاً، ص. ۷۰

(۲۶) ایضاً، ص. ۶۸

(۲۷) تاریخ ادبیاتِ مسلمانان پاکستان و ہند، ج:۵، ص. ۴۶۲

(۲۸) اردو میں سائنسی ادب، ص ۸۲، ان کتابوں کی زبان اور اصطلاحات کے متعلق مصنف نے بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے

(۲۹) ایضاً، ص. ۷۳

(۳۰) ایضاً، ص. ۸۱

(۳۱) ایضاً، ص. ۹۸

(۳۲) ایضاً، ص. ۱۰۱

(۳۳) اردو میں سائنسی ادب، ص. ۱۰۳

(۳۴) ایضاً، ص. ۱۰۵

(۳۵) ایضاً، ص. ۱۰۶

Marfat.com

(۳۶) ایضاً، ص. ۱۰۹

(۳۷) ایضاً، ص. ۱۱۴

(۳۸) ایضاً، ص. ۱۱۵

(۳۹) ایضاً، ص. ۷۶

(۴۰) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، ج: ۵، ص. ۳۶۰

(۴۱) ایضاً، ص. ۳۵۴

(۴۲) ایضاً، ص. ۳۶۰

(۴۳) ایضاً، ص. ۳۵۴

(۴۴) اردو میں سائنسی ادب، ص. ۶۸

(۴۵) ایضاً، ص. ۶۹

(۴۶) ایضاً، ص. ۱۱۸

(۴۷) اردو میں سائنسی ادب، ص. ۶۹ نوٹ: اردو میں سائنسی ادب کے مصنف خواجہ حمید الدین شاہد نے کافی تعداد میں انگریزی ترجموں کا ذکر کیا ہے، جو انفرادی سطح پر کیے گئے ہیں۔ مترجموں کے متعلق کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون تھے اور کہاں کے تھے؟

Marfat.com

باب:۴

(۱) سارے سفرنامہ میں (کینین s) ہی لکھا ہوا ہے۔ مقالہ حکیم محمود احمد برکاتی ونزہۃ الخواطر

(۲) الزبیر، سہ ماہی، کتب خانہ نمبر ص. ۲۷۵

(۳) مقالہ حکیم محمود احمد برکاتی

(۳الف) Feature in Dawn, 4 August 1991 Taken from ...... Urdu and Muslim South Asia Studies in honour of Ralph Russel.

(۴) ''المعارف'' لاہور جولائی ۱۹۸۴ء

(۵) محمد عتیق صدیقی، گلکرسٹ اور اس کا عہد، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۶۰ء، ص. ۱۵۵

(۶) سید عبدالحئی، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، ترجمہ ابوالعرفان خان ندوی اعظم گڑھ، ۱۹۶۹ء (۲) ''الزبیر'' کتب خانہ نمبر، ص. ۴۷۵

(۷) لطف، مرزا علی، تذکرہ گلشنِ ہند، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۰۶ء، ص. ۲۴

(۸) رسالہ ''المعارف'' لاہور مضمون انور مسعود کاکوروی، جولائی ۱۹۸۴ء

(۹) حدیقۃ الافراح، ص. ۴۴۱-۴۴۸، بحوالہ رسالہ المعارف

(۱۰) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، ج: ۵، ص. ۳۶۰

(۱۱) سفرنامہ مسیح الدین کاکوروی، ج: ۷، ص. ۲۷۲ (عربی)

(۱۲) سید عبدالحئی، نزہۃ الخواطر، ج: ۷ (عربی) ص. ۳۶۴

(۱۳) ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی، مرتب عبدالرزاق ملیح آبادی، لاہور: مطبوعات چٹان، ۱۹۶۰ء ص. ۲۵۸

(۱۴) لطف، مرزا علی، تذکرہ گلشن ہند، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۰۶ء، ص. ۲۳۸

Marfat.com

(۱۵) (۱) نزہۃ الخواطر، ج:۶، ص. ۲۹۱ (۲) الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند (۳) حیات ولی، مولوی رحیم بخش، ص:۴۱، ۵۴ (۴) مکتوب، حکیم محمود احمد برکاتی

(۱۶) شوستری، سید عبداللطیف، تحفۃ العالم، حیدرآباد: ۱۸۷۷، ص. ۲۸۶؛ نواب سید محمد علی خان، سوانح عمری مولوی تفضّل حسین خان، حیدرآباد، ۱۹۲۰؛ عبداللہ یوسف علی، انگریزی عہد میں ہندوستانی تمدن کی تاریخ، کراچی: کریم سنز، ص ۱۲۴؛ سید عبدالحیٔ، نزہتہ الخواطر، ج:۲، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، ص. ۲۷۳؛ رحمٰن علی، تذکرہ علماء ہند، ص. ۱۳۹؛ مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، لاہور: ج:۱، ص. ۳۶۳

(۱۷) محمد عتیق صدیقی، گل کرسٹ اوراس کا عہد، علی گڑھ: ص. ۵۴، انجمن ترقی اردو، ہند، ۱۹۶۰

(۱۸) مقالہ حکیم محمود احمد برکاتی

(۱۹) سید عبدالحیٔ، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، طبع دمشق عربی، ص. ۶۷

Marfat.com

باب:۵

(۱) سید عبدالحئ، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، اعظم گڑھ: دارالمصنّفین

(۲) جدیدیت، محمد حسن عسکری، ص.۴۹

(۳) مقالات گارساں دتاسی، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۴ء، ج:۱، ص.۳۳

(۴) آغا افتخار حسین، یورپ میں تحقیقی مطالعے، ص:۳۰ خطبات گارساں دتاسی جلد دوئم، ص.۵۸

(۵) سید عبدالحئ، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، ص.۲۸۱

(۶) انتظام اللہ شہابی، مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی، طبع کراچی، ۱۹۵۷ء

Ishtiaq Hussain Qureshi, Ulama in Politics, Maarif Publication, 1972

(i) Moinddin Ahmad, Faraizi Movement in Bengal, Dacca

سید محمد سلیم، مجنون شاہ مستانہ، جسارت، کراچی، ۱۰ فروری ۱۹۸۷ء

(۷) مقالات گارساں دتاسی، ج:۱، ص.۴۱

(۸) نزہۃ الخواطر، ج:۷، ص.۱۳۳ قیصر التواریخ، ص.۱۳۱

(۹) آغا افتخار حسین، یورپ میں تحقیقی مطالعے، ص۴۳، خطبات گارساں دتاسی، ۱۸۶۷ء، جلد دوئم، ص.۱۶۵

(۱۰) ایضاً ص.۴۳

(۱۱) ایضاً ص.۴۴

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ایضاً ص.۴۵

(۱۴) ایضاً ص.۴۵، نیز رسالہ صحیفہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۵ء

Marfat.com

(۱۵) رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، نزہۃ الخواطر، ج:۷، ص. ۶۴

(۱۶) رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، خطبات گارساں دتاسی

(۱۷) انتظام اللہ شہابی، غدر کے علماء، کراچی: ۱۹۰۷ء، ص. ۵۷

(۱۸) محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، حصہ چہارم، دہلی ۱۹۶۰ء، ص. ۵۲۰

(۱۹) المعارف لاہور، جولائی ۱۹۸۴ء، قاضی نجم الدین از مسعود انور کاکوروی ومقالات گارساں دتاسی، ج:۱، ص. ۳۴

(۲۰) نزہۃ الخواطر، ج:۷، ص. ۴۵

(۲۱) انگریزی عہد میں ہندوستانی تمدن کی تاریخ ص. ۲۲۹

(۲۲) خطبات گارساں دتاسی، حصہ دوئم، ص. ۲۸

(۲۳) ایضاً ص. ۲۹۶

(۲۴) انگریزی عہد میں ہندوستانی تمدن کی تاریخ ص. ۲۲۹

(۲۵) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند، ج:۵، ص. ۱۴۰

(۲۶) علم وعمل، مولوی عبدالقادر، ج:۱، ص. ۱۳۳

(۲۷) خطبات گارساں دتاسی، حصہ دوئم، ص. ۲۹۸

(۲۸) ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی، طبع دہلی، ص. ۲۷

(۲۹) عنایت رسول چریاکوٹی، بشریٰ، طبع ثانی، لاہور ۱۹۸۴ء مقدمہ شہابی

(۲۹الف) حیات شاہ محمد اسحاق، ص. ۱۰۴

(۳۰) خطبات گارساں دتاسی، حصہ دوم، ص. ۶۰

(۳۱) رسالہ العلم کراچی، اکتوبر ۱۹۵۶ء، انتظام اللہ شہابی، ڈاکٹر وزیران، مولانا مناظر احسن گیلانی، مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص. ۲۸۶

(۳۲) رسالہ مبحث الشریف، مرتبہ وزیر الدین، فخر المطابع، دہلی، ۱۲۷۰ھ۔ امداد صابری، فرنگیوں

Marfat.com

کا جال، دہلی، ص. ۱۲۰

(۳۳) مقالات گارساں دتاسی، ج:۱، ص. ۲۵۷

(۳۴) ایضاً

(۳۵) مولوی عبدالقادر، علم وعمل، ترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری، ج:۳، ص.۱

(۳۶) رسالہ الزبیر، کتب خانہ نمبر، ص. ۸۳

(۳۷) نزہۃ الخواطر، ج:۷، ص. ۲۰۰

(۳۸) مولوی چراغ علی، مقدمہ، اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام، لاہور: رفاہ عام اسٹیم پریس، ۱۹۱۱

Marfat.com

باب:٦

(۱) نقشِ آزاد، مرتب، مولانا غلام رسول مہر، ص. ۲۸۷

(۲) مولانا آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی، ص. ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۷۶۔ نزہۃ الخواطر، ج:۷، ص. ۲۵۹

(۳) سید سلیمان ندوی، ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص. ۱۳۰

(۴) Beale, An Oriental Biographical Dictionary, Lahore, Sind Sagar Academy, p.480

(۵) سید سلیمان ندوی، ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں، ص. ۱۳۰

(٦) مولانا آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی، ص. ۲۵۹

(۷) ایضاً، ص. ۵۸

(۸) خطبات گارساں دتاسی، ج:۱، ص. ۵۸

(۹) سرسید احمد خاں، سیرت فریدیہ، مرتب حکیم محمود احمد برکاتی، طبع کراچی، ص. ۱۵۴

(۱۰) مقالہ حکیم محمود احمد برکاتی

(۱۱) حکیم محمود احمد برکاتی، مقالہ، مفید الاجسام

(۱۲) نصیر الدین ہاشمی، نوادر، بمبئی، جولائی ۱۹۷۰ء

(۱۳) ایضاً

(۱۴) ایضاً

(۱۵) مقالات محمد حسین آزاد، محمد باقر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۸ء، ص. ۲۱۸

(۱٦) ایضاً

Marfat.com

(۱۷) الثقافۃ اسلامیہ فی الہند، ص. ۲۸۴، طبع دمشق؛ سید سلیمان ندوی، نقوش سلیمانی، ص. ۸۲، قیصر التواریخ، ج:۱، ص. ۴۵۰

(۱۸) مذکورہ بالا

خواجہ حمید الدین شاہد، اردو میں سائنسی ادب، ص. ۱۲۱-۱۳۸

(۱۹) مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج، انجمن ترقی اردو ہند، ص ۲۵؛ خواجہ حمید الدین شاہد، اردو میں سائنسی ادب، ص. ۱۴۱-۱۷۶

(۲۰) عنوان: موہن لعل Beale, An Oriental Biographical Dictionary

(۲۱) خطبات، گارساں دتاسی، ج:۱، حاشیہ. ۲۴۶

(۲۲) رحمٰن علی، تذکرہ علماء ہند، ص. ۱۷۹، الثقافۃ اسلامیہ فی الہند، ص. ۲۸۱

(۲۳) نقشِ آزاد، ص. ۲۴۷

(۲۴) صدقِ جدید لکھنؤ، ۲۱ فروری ۵۸ء، مراسلہ خواجہ عبدالرشید

(۲۵) غلام رسول مہر، تاریخ کلہوڑا سندھ، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، ص. ۱۳

(۲۶) مقالات محمد حسین آزاد، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء، ص. ۳۴۵؛ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، کاروان صحافت، ص. ۲۹

(۲۷) مقالات گارساں دتاسی، ج:۱، ص. ۲۲۸

Marfat.com

باب: ۷

(۱) سر سید احمد خان، مسافرانِ لندن، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء

(۱) Sir John Kayee, History of the Sepoy War in India

(۲) الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، ص. ۲۸۰

(۳) Percival Spear, Twilight of the Mughals, London: Oxford University Press, 1957

(۴) مقالات گارساں دتاسی، حصہ اول، ص. ۲۱۷

(۵) مقالات سر سید، ج:۶، ص. ۴۶

(۶) خطبات گارساں دتاسی، ج:۲، ص. ۲۱۲

(۷) غلام حسین ذوالفقار: تاریخ اورینٹل کالج، لاہور

(۸) سر سید احمد خان، مسافرانِ لندن

(۹) ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۶۱ء

(۱۰) ایضاً

(۱۱) مقدمات عبدالحق، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، لاہور: اردو مرکز، ۱۹۶۴ء، ص. ۳۷۸

(۱۲) المعارف، لاہور، ۱۹۷۰ء

(۱۳) صدر الحق، نساخ، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۷ء

(۱۴) ایضاً

(۱۵) مقدمات عبدالحق، ص. ۶۲۲

(۱۶) الزبیر، کتب خانہ نمبر ۱۹۶۷ء، ص. ۱۳۱

Marfat.com

(۱۷) رسالہ معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۵۵ء

(۱۸) مقالات گارساں دتاسی، جلد اول، ص. ۳۲۸

(۱۹) محمد ایوب قادری، مولوی محمد احسن نانوتوی، ص. ۳۵

(۲۰) خواجہ حمید الدین شاہد، اردو میں سائنسی ادب، ص. ۲۶۱

(۲۱) ڈاکٹر غلام حسین، معدن الحکمت، گوڑ گاؤں طبع، ۱۸۷۵ء

(۲۲) ایضاً

(۲۳) مقالات گارساں دتاسی، ج:۱، ص:۵۱

(۲۴) اردو میں سائنسی ادب، خواجہ حمید الدین شاہد، صص. ۱۷۹-۱۸۰

(۲۵) ایضاً

(۲۶) مقالات گارساں دتاسی، ج:۱، ص. ۲۲۸

(۲۷) المعارف، لاہور، جون، ۱۹۷۰ء

(۲۸) Ishtiaq Hussain Qureshi, Education in Pakistan. Karachi: Maarif Publication, 1974.

☆......☆......☆

Marfat.com